اِنسان اور کُفر

نواقضِ ایمان اور ضوابطِ تکفیر کا بیان

حافظ مبشر حسین

اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔۲
فون: 23282550,23284740 فیکس: 23267510

نام کتاب	:	انسان اور کفر
تالیف	:	حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ
ناشر	:	اریب پبلیکیشنز
صفحات	:	166
سن اشاعت	:	2012
قیمت	:	75/-

INSAN AUR KUFR

Hafiz Mubashshar Hussain

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔۲

فون: 23284740، 23282550، 43549461

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

زیرِنظر کتاب ''انسان اور کفر'' ہمارے کتابی سلسلہ ''اصلاحِ عقائد'' کی دسویں اور آخری کتاب ہے۔ اس کی تکمیل کے ساتھ ہمارا 'اصلاحِ عقائد' کا تحریری سلسلہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ان حساس اور اہم موضوعات پر راقم الحروف کو عام فہم اسلوب میں لکھنے کی توفیق بخشی۔

زیرِنظر کتاب (انسان اور کفر) کی تالیف سے فراغت تو یقیناً بہت پہلے ہو چکی تھی، مگر اس کی اشاعت و طباعت میں بعض وجوہات کے پیشِ نظر غیر معمولی تاخیر ہوئی، جس پر ہم اپنے ان قارئین سے جو اس کی اشاعت کے سخت منتظر تھے، معذرت بھی کرتے ہیں۔

اس سلسلہ کی گزشتہ کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی ہم نے کلامی و فلسفیانہ مباحث کی پیچیدگیوں سے اجتناب کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں اختصار و جامعیت کے ساتھ متعلقہ موضوع پر قلم اٹھایا ہے، تاکہ اردو زبان پڑھنے اور سمجھنے والے ایک عام شخص کو باآسانی یہ معلوم ہو سکے کہ ایمان کیا ہے اور اس کے منافی چیزیں کیا ہیں، اور وہ اپنی سب سے قیمتی متاع (ایمان) کی ہر ممکنہ حد تک حفاظت کر سکے۔

زیرِنظر کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے یعنی:

۱۔ انسان اور ایمان

۲۔ انسان اور کفر و مکفرات

۳۔ تکفیر اور عمومی ضابطے

۴۔ موانعِ تکفیر

پہلے باب میں ایمان اور اس سے متعلقہ بعض ضروری چیزوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں کفر کی حدود اور ایمان کو توڑ کر کفر میں لے جانے والی چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں اس موضوع پر بات کی گئی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینے میں عمومی ضابطے اور احتیاط کے پہلو کیا کچھ ہیں۔ چوتھے باب میں اس پہلو کو تفصیل کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں کفر کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بعد ان چاروں ابواب کا خلاصہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر عقیدہ پر لکھی گئی مشہور ترین کتاب 'العقیدۃ الطحاویۃ' اور اس کی شہرہ آفاق شرح جو ابن ابی العزؒ نے لکھی ہے، کے ان مباحث کا اردو ترجمہ بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے جو اس موضوع سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے بہت سے لوگوں کے لیے یہ ضمیمہ مفید ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ یہ موضوع نہایت حساس ہے اور اس میں افراط و تفریط کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں ہمیشہ بے شمار فتنوں نے جنم لیا ہے اور افسوس کہ اب بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ ہم اس سلسلہ میں کوئی نیا فتنہ پیدا نہیں کرنا چاہتے بلکہ جہالت و لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں جو امت کے جید علماء کی اکثریت نے ہمیشہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا استدلال قرآن اور سنت صحیحہ کے صریح دلائل کے ساتھ ہے اور ان کے اسی فہم کو ہم نے معتبر سمجھا ہے جو ہمارے اسلاف نے مراد لیا ہے۔

ہمارے ہاں ایک طرف مادہ پرستی اور نفاق کا مرض بہت بڑھ گیا ہے اور ردعمل کے طور پر دوسری طرف 'تکفیری ذہنیت' اور 'کافر گری' کا عنصر بھی زوروں پر ہے۔ ایک طرف مادی مقاصد کے لیے دین و ایمان کا سودا کرنا معمولی بات سمجھی جانے لگی ہے اور دوسری طرف عام فقہی مسائل میں توسع کے باوجود اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے پر تکفیر کے فتوے لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ زیر نظر کتاب میں ہم نے بنیادی طور پر تکفیری ذہنیت ہی کا علمی بنیادوں پر تجزیہ کیا ہے اور تکفیر کے حدود و ضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لیکن یہاں اس تکفیری روش کے بارے میں یہ سوال کہ 'ایسا کیوں ہے؟' کا ایک مختصر سا جواب دینا شاید بہتر ہوگا۔

مجھے ایک عرصہ دراز تک ایسے بہت سے لوگوں سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا ہے جو زیر نظر موضوع سے دلچسپی

رکھتے ہیں۔علاوہ ازیں اس سلسلہ میں عرب وعجم میں لکھا گیا لٹریچر بھی نظروں سے گذرا۔بعض خارجی اور تکفیری ذہن کے لوگوں کو بھی قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ کم علمی اور جہالت ہے۔ایک طرف عامۃ الناس کو معلوم ہی نہیں کہ ایمان اور کفر کی حدود کیا ہیں؟ اور دوسری طرف تکفیر کا 'فریضہ' انجام دینے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ تکفیر کے ضوابط کیا ہیں اور کون سی چیزیں تکفیر میں مانع اور عذر کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس فہرست میں ایسے لوگوں کا نام بھی دیکھا جا سکتا ہے جنہیں عوام کے ہاں 'علماء' کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے، لیکن عوام کو کیا معلوم کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے؟!

کم علمی اور جہالت ہی کی وجہ سے ہمارے ہاں مذہبی حد بندیاں اور مسلکی تعصّبات قائم ہوئے ہیں اور ان مذہبی حد بندیوں اور مسلکی تعصّبات نے بھی تکفیری ذہنیت کو بہت ہوا دی ہے، اس لیے کہ ان مسلکی حد بندیوں میں ہر فریق یہ سمجھتا ہے کہ وہی جنتی فرقہ ہے، باقی سب گمراہ اور جہنم کا ایندھن ہیں۔چنانچہ جو چیز ایک مسلک میں جائز نہیں، اسے جائز سمجھنے والے ہر دوسرے بندے کو بعض اوقات اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ شاید اس نے کسی کفر اکبر کا ارتکاب کر لیا ہے، خواہ وہ چیز فقہی دائرے میں توسع کی حیثیت ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔اسی طرح اپنے ہم مسلکوں کو خوش کرنے اور اپنے ساتھ مذہبی تعلق کو گہرا کرنے کے لیے ہر فریق نے کچھ امتیازات قائم کر رکھے ہیں۔اب اگر کوئی مسلمان ان امتیازات کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا، تو اسے دائرہ اسلام کے اندر دیکھنے کی بجائے باہر دیکھا جاتا ہے، اسے حزب اللہ کی بجائے حزب الشیطان کا فرد سمجھا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اس سلسلہ میں اجتہادی اختلاف رکھتا ہے اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سچی محبت بھی ہے!

اسی طرح یہ بھی کم علمی اور جہالت ہی کا نتیجہ ہے کہ تاویل اور فہم کے اختلاف کو نہ سمجھا جاتا ہے اور نہ اسے برداشت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ الٹا ایسا جذباتی رویہ اختیار کیا جاتا ہے جو فریق مخالف کے ساتھ افہام و تفہیم کی بجائے ہمیشہ مناظرانہ ومجادلانہ فضا پیدا کیے رکھتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو دوسروں کی تکفیر و ضلالت کا شیطانی چسکہ بھی پڑ جاتا ہے۔وہ بجائے اس کے کہ جاہل اور بے عمل مسلمانوں تک حکمت کے ساتھ حق کی بات مسلسل پہنچانے کی ذمہ داری ادا کریں، الٹا ان راستوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے کسی مسلمان کی تکفیر کا جواز مل سکے۔حالانکہ کسی مسلمان کو کافر

قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے کیا جا سکتا ہے:

((عن ثابت بن الضحاکؓ قال ان رسول اللہ ﷺ قال: وَمَنْ رَمٰی مُؤْمِنًا بِکُفْرٍ فَهُوَ کَقَتْلِهٖ))

''حضرت ثابت بن ضحاکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کو کافر کہنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے''۔ (۱)

((عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: لَا يَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَّمْ يَکُنْ صَاحِبُهٗ کَذٰلِكَ)) (۲)

''حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کسی پر فسق اور کفر کا الزام لگاتا ہے جبکہ وہ اس فسق و کفر سے بری ہے، تو وہ الزام اسی پر لوٹ آتا ہے''۔

((عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِيْهِ يَا کَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهٖ اَحَدُهُمَا)) (۳)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کی یہ بات ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتی ہے''۔

((عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: اَيُّمَا امْرِیءٍ قَالَ لِاَخِيْهِ يَا کَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا، اِنْ کَانَ کَمَا قَالَ وَاِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ))

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آئے گا۔ یا تو وہ کافر ہی ہوگا جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے یا پھر کلمۂ کفر اس پر لوٹ آئے گا (جس نے دوسرے کو کافر کہا تھا)''۔ (۴)

۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال، ح۶۱۰۵۔

۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعن، ح۶۰۴۵۔

۳۔ بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال، ح۶۱۰۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیہ المسلم یا کافر۔

۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیہ المسلم یا کافر۔

اس حدیث کا ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کو کافر کہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ضرور ہے، یا تو وہ جسے کافر کہا جارہا ہے یا پھر وہ جو کفر کا حکم لگا رہا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک شخص کافر نہیں تو اسے کافر کہنے والا اس بات سے خود کافر نہیں ہو جاتا بلکہ اس پر جو چیز لوٹ کر آتی ہے، وہ اس تہمت کا گناہ ہے جو اس نے دوسرے پر لگائی ہے۔ اور یہی مفہوم جمہور اہل علم نے بیان کیا ہے اور اتنی بات تو بہر حال دونوں صورتوں میں واضح ہے کہ کسی کو کافر کہنا چھوٹی بات نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ کریں:

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھی جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ''۔ [ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النھی عن البغی]

مذکورہ بالا تمام احادیث میں اسی بات کی تلقین کی گئی ہے کہ تکفیر کے مسئلہ میں سخت احتیاط کی جائے لیکن اس سلسلہ میں ہمارے ہاں اس کے برعکس ایک انتہائی غلط رویہ پایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور جسے وہ اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تکفیر کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے بہت زیادہ احتیاط کی تلقین کی ہے۔

دوم اس لیے بھی کہ تکفیر کے سلسلہ میں کئی ایک موانع پائے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں عمل کفر کے

مرتکب کو کفر کے باوجود کافر قرار نہیں دیا جاتا۔لیکن ان موانع کا تعین کرنا، ان میں علمی اختلافات کی حدود کو نیک نیتی اور صحیح فہم کے ساتھ جاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ بہت سے پہلو ایسے پیچیدہ اور نازک بھی ہیں کہ بڑے بڑے اہل علم بھی ہمیشہ وہاں احتیاط کرتے رہے ہیں اور ان کے بارے میں رائے زنی سے انہوں نے توقف کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگی اور افسوس کہ ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے!

معروف مالکی فقیہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس سلسلہ میں اہم بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

''جس شخص کا اسلام ایک مرتبہ امت کے اجماع کے ساتھ ثابت ہو جائے اور پھر وہ کوئی ایسا گناہ کرے یا ایسی تاویل کرے کہ اس کے بارے میں امت کا اختلاف ہو جائے کہ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے یا نہیں، تو یہ اختلاف اس اجماع کے مقابلہ میں کوئی اہمیت اور حجت نہیں رکھتا جو اس کے اسلام کے بارے میں اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ یہ شخص اسلام سے اس وقت تک خارج قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس کے اسلام سے خروج پر ایسا ہی اتفاق امت نہ ہو جائے جیسا کہ اس کے اسلام لانے پر ہوا تھا، یا اس کے کفر پر ایسی سنت ثابتہ موجود ہو جس کے ساتھ کسی اور دلیل کا ٹکراؤ نہ ہو۔

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص گناہ کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا، خواہ وہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، البتہ اہل بدعت نے اس اصول میں اختلاف کیا ہے۔

پس یہ بات واجب ہے کہ کسی شخص کی اس وقت تک تکفیر نہ کی جائے جب تک کہ اس کے کفر پر امت متفق نہ ہو جائے یا اس کفر پر ایسی دلیل قائم ہو جائے کہ قرآن وسنت سے اس دلیل کے خلاف کوئی چیز اسے کفر کے حکم سے بچانے والی نہ ہو''۔[التمهید، ۲۱/۱۷]

ہمارے ہاں ایک طرف تکفیری ذہنیت بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف یہ غلط فہمی بھی کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد جو مرضی کرتے رہیں، اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دو انتہائیں ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں غلط ہیں۔ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔ ہم نے زیر نظر کتاب میں اسی حق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری یہ معمولی سی کوشش مثبت اور مفید ثابت ہو سکے گی، ان شاء اللہ۔

فہرستِ مضامین

باب ۱

انسان اور ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور ان نعمتوں کو اگر انسان گننا چاہے تو یہ اس کے لیے ناممکن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ [سورة ابراهيم: ٣٤]

"اگر تم اللہ کے احسان (نعمتیں) گننا چاہو تو تم انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان نعمتوں کی یاد دہانی مختلف انداز میں کرائی ہے تا کہ لوگ اللہ کے شکرگزار اور عبادت گزار بن سکیں اور انہی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احسان جتاتے ہوئے یاد دہانی کرائی ہے۔ ان میں سے ایک ایمان کی نعمت ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کی نعمت ہے۔ ایمان کی نعمت کو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنا احسان قرار دیا جب کچھ نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم احسان نہ جتاؤ، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اللہ نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ﴾ [سورة الحجرات: ١٤ تا١٨]

''وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعویٰ ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو، اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے''۔

جہاں تک نبی کریم ﷺ کی رسالت ونبوت کی نعمت کا تعلق ہے، تو اس احسان کے بارے میں سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ [سورة آل عمران: ١٦٤]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

'ایمان' ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ 'ایمان' ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے۔اگر انسان کو سارے

جہاں کی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایمان کی نعمت و دولت سے محروم رہے تو وہ پھر بھی بدنصیب ہے اور اگر کسی کو ایمان کی نعمت مل جائے اور ایمان کی محبت اور لذت اس کے دل و دماغ اور جسم و جان میں سرایت کر جائے تو پھر اس کے لیے دنیا کی باقی ساری دولتیں اور آسائشیں اس ایمانی دولت کے سامنے ہیچ ہیں اور اگر دنیا میں اسے ایمان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینا پڑے تو وہ ایمان کو بچانے کے لیے اس سے نہ گریز کرے گا اور نہ کبھی متزلزل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی وہ اُخروی اعتبار سے کامیاب ہو سکتا اور ہمیشہ کے لیے جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

کفر کی حقیقت اس وقت تک پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایمان کے بارے میں درست معلومات نہ ہوں، اس لیے یہاں ہم پہلے ایمان کے بارے میں وضاحت کریں گے کہ قرآن و سنت میں جس ایمان کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بغیر آدمی جنت میں نہیں جا سکتا، وہ ایمان کیا ہے؟ اور مسلمانوں کے ہاں اس ایمان کی تعریف اور حدود و قیود کے حوالے سے کیا آراء پائی جاتی ہیں۔

لغت عرب میں لفظ ایمان دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے؛ ایک ہے: 'اِعطاءُ الاَمان (التامین)' یعنی کسی کو امان دینا۔ اور دوسرا معنی ہے: 'دل سے کسی چیز کی تصدیق کرنا'۔

شرعی و دینی اصطلاح میں ایمان سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں تاریخ اسلام میں نمایاں ہونے والے مختلف مذہبی و کلامی فرقوں میں اختلاف رائے رہا ہے اور یہی اختلاف ایمان کے نواقض (مکفرات) میں بھی پایا جاتا ہے۔

اہلِ سنت کی رائے

اہل سنت کے علماء، فقہاء اور محدثین کی عام رائے یہ ہے کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

۱۔ قول (زبان سے اقرار)،

۲۔ دل کی معرفت اور تصدیق،

۳۔ اعضاء و جوارح سے دینی احکام پر عمل۔

گویا ایمان یہ ہے کہ انسان اسلامی عقائد کی حقانیت کے بارے میں زبان سے اقرار بھی کرے، دل سے

ان کی حقانیت کی تصدیق بھی کرے اور پھر ان عقائد کے مطابق دینی احکام پر عمل بھی کرے۔

ایمان کی تعریف میں زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کافی ہے یا عمل بھی اس میں شامل ہے؟، اس سلسلہ میں فقہاءِ حنفیہ کا دیگر اہل سنت کے ساتھ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے جسے ہم آگے ذکر کریں گے۔ یہاں ہم اہل سنت کے چند نمایاں بزرگوں کے ایمان کی تعریف کے حوالے سے کچھ بیانات ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ امام مالکؒ جو امام دارالھجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں اور مالکی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، کے حوالے سے ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔[۱]

یاد رہے کہ علماء اہل سنت جب ایمان کی بحث میں قول اور عمل کا ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ان کے نزدیک قول سے مراد دل اور زبان کا قول اور عمل سے مراد دل اور اعضاء کا عمل ہوتا ہے۔ گویا قول اور عمل کہہ کر اس سے زبانی اقرار، قلبی تصدیق اور عمل تینوں چیزیں مراد لی جاتی ہیں۔[۲]

۲۔ امام شافعیؒ جو معروف فقیہ اور شافعی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

''صحابہؓ اور ان کے بعد تابعینؒ اور ان کے بعد کے وہ لوگ جن کا زمانہ ہم نے پایا ہے، کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک باقی کے بغیر کفایت نہیں کرتا''۔[۳]

۳۔ امام شافعیؒ اور بعض اور کبار محدثین کے استاد اور اپنے وقت کے معروف محدث سفیان بن عیینہؒ بیان فرماتے ہیں:

''مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان قول (اقرار) کا نام ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ مرجئہ کہتے ہیں کہ اگر ایک بندہ دل سے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اور اس کے ساتھ فرائض و واجبات پر عمل نہیں کرتا تو اس کے باوجود وہ جنتی ہے اور اس کا فرائض کو چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے کسی حرام کا ارتکاب کرنا۔ حالانکہ فرائض کو چھوڑنا اور حرام کا ارتکاب کرنا دونوں چیزیں برابر نہیں ہیں بلکہ حرام کو

۱۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقھاء، لابن عبد البر، ص۳۳۔

۲۔ دیکھیے: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، لابن ابی العز، ص۳۳۳۔

۳۔ شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ، للالکائی، ج۵، ص۸۸۶۔ کتاب الایمان، لابن تیمیۃ، ص۱۹۷۔

چھوڑ نا فسق و معصیت (گناہ) ہے بشرطیکہ آدمی حرام کو حلال قرار نہ دے جب کہ بغیر کسی جہالت اور عذر کے جان بوجھ کر فرائض چھوڑنا کفر ہے (فسق نہیں)''۔[1]

۴۔امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ابوثورؒ ایمان اور عمل کے باہمی تعلق کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ عمل ایمان میں شامل نہیں ہے ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جہاں یہ حکم فرماتے ہیں کہ ''نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو''۔ کیا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ صرف نماز اور زکاۃ کا اقرار کرلو، یا یہ ہے کہ ان کا اقرار بھی کرو اور ان پر عمل بھی کرو۔ اگر وہ کہے کہ ان میں صرف اقرار کا ارادہ کیا گیا ہے، عمل کا تقاضا نہیں کیا گیا تو اس نے کفر کیا............اور اگر وہ یہ کہے کہ ان میں اقرار اور عمل دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے پوچھا جائے کہ جب دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے تو پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ان میں سے صرف اقرار کے ساتھ ہی آدمی مومن ہوتا ہے عمل کی کوئی ضرورت نہیں؟!

بتایئے اگر ایک آدمی کہے کہ میں ہر اس چیز پر عمل کرتا ہوں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے لیکن میں ان چیزوں کا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو کیا وہ مومن کہلائے گا؟ اگر یہ لوگ اس سوال کا جواب نفی میں دیں تو پھر ان سے کہا جائے کہ بتایئے اگر وہ کہے کہ میں ہر اس چیز کا اقرار کرتا ہوں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے لیکن میں ان میں سے کسی چیز پر بھی عمل نہیں کرتا تو کیا پھر بھی وہ مومن کہلائے گا؟ اگر یہ لوگ کہیں کہ ہاں پھر بھی وہ مومن ہی رہے گا تو ان سے پوچھا جائے کہ یہ فرق کس بنیاد پر ہے؟ جب تم نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے دونوں چیزوں (یعنی اقرار اور عمل) کا مطالبہ کیا ہے تو پھر اگر یہ جائز ہے کہ ایک شخص عمل کے بغیر محض اقرار کے ساتھ ہی مومن رہ سکتا ہے تو پھر یہ بھی ممکن ماننا چاہیے کہ وہ اقرار کے بغیر صرف عمل کے ساتھ بھی مومن رہے گا اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے!!''۔[2]

۵۔امام احمد بن حنبلؒ جو حنبلی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، نیز آپؒ کو امام اهل السنة بھی کہا جاتا ہے، کے نزدیک بھی عمل ایمان میں شامل ہے۔[3]

۱۔ السنة، لعبد الله بن احمدؒ، ج۱، ص ۳۴۷، ۳۴۸۔

۲۔ شرح اصول اعتقاد اهل السنة، ج۵، ص ۸۵۰، ۸۵۱۔

۳۔ دیکھیے: طبقات الحنابلة، لابن رجب حنبلی، ج۱، ص ۱۳۰۔

۶۔امام بغویؒ (م ۵۱۸ھ) جو سلسلہ محدثین کی غالباً آخری کڑی (یعنی آخری محدث) ہیں اور آپؒ کے بعد سند کے ساتھ روایتِ حدیث اور تالیفِ حدیث کا اسلوب اختتام کو پہنچ گیا، بیان فرماتے ہیں:

''صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے علماءِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔......اور ان کی رائے یہ ہے کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے (تینوں کے مجموعہ) کا نام ہے''۔(۱)

۶۔امام بخاریؒ جو محدثین کے ہاں بالاتفاق امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، بیان فرماتے ہیں:

''میں مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء کو ملا ہوں اور میں نے ان میں کسی کو اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے نہیں پایا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے''۔(۲)

۷۔علامہ ابن عبدالبرؒ جو فقہ مالکی کے ایک معتبر شارح کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، بیان فرماتے ہیں:

''فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور عمل نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔......البتہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ طاعات (یعنی اعمال) ایمان میں داخل نہیں''۔(۳)

۸۔امام ابن رجبؒ جو فقہ حنبلی کے ایک معروف عالم ہیں، صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''اکثر و بیشتر اہل علم اور ائمہ عظام کی رائے یہی ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ امام شافعیؒ کے بقول اسی رائے پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے۔ ابوثورؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسی رائے پر اجماع ہے۔......اسی طرح امام اوزاعیؒ اپنے پیش رو ائمہ کرام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلف صالحین ایمان اور عمل میں فرق نہیں کیا کرتے تھے۔......

ایمان قول اور عمل کا نام ہے، یہی رائے حسن، سعید بن جبیر، عمر بن عبدالعزیز، عطاء، طاؤس، مجاہد، شعبی، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوعبید، ابوثور رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کی ہے''۔(۴)

۱۔ شرح السنة، ج ۱، ص ۳۸، ۳۹۔

۲۔ فتح الباری، لابن حجرؒ، ج ۱، ص ۴۷۔

۳۔ التمهيد، لابن عبد البر، ج ۹، ص ۲۳۸، ۲۴۳۔

۴۔ فتح الباری، لابن رجب، ج ۱، ص ۵۔

۹۔امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے سنی فکر کی اپنی قلم اور زبان سے اس قدر خدمت کی کہ غیر بھی اس کے معترف ہیں، اور آپ نے امام احمد بن حنبلؒ کے افکار و آراء کو اتنی گہرائی سے مطالعہ کر کے سمجھا کہ آپ کے بعد یہ رتبہ اور کسی کو کم ہی مل سکا، نے بھی اپنی کتابوں بالخصوص 'الایمان' اور مجموع الفتاویٰ کے مختلف حصوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بات کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایمان مجرد قول اور اقرار کا نام نہیں بلکہ اس میں عمل کی صورتیں بھی شامل ہیں۔

علماءِ اہل سنت کے وہ دلائل جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تین چیزوں (یعنی تصدیقِ قلبی، اقرار لسانی اور عمل) کے مجموعے کا نام ہے

اہل سنت کے علماء نے ایمان کو تین چیزوں (تصدیقِ قلبی، اقرار لسانی اور عمل) کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے قرآن وسنت کے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔دل سے تصدیق کی دلیل:

(۱)...... ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ [سورة الحجرات: ١٤]

''وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا''۔

(۲)...... ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [سورة النحل: ١٠٦، ١٠٧]

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد کفر کرے، سوائے اُس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو اسے معافی ہے) مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا''۔

معلوم ہوا کہ اصل چیز یہی ہے کہ انسان دل سے ایمان لائے، ورنہ زبان اور ظاہری اعمال سے اگر کوئی مسلمانوں والے کام کرے مگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو تو وہ بالاتفاق منافق ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں ایمان موجود ہو اور اسے کلمہ کفر پر کوئی مجبور کر دے تو ایسی صورت میں جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہنے سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے نمبر والی آیات سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲۔ زبان سے اقرار کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ))(۱)

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ لہٰذا جب لوگ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے، اور ان کا (اعتقادی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔''

امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہادتین کا زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کے لیے اسی طرح شرط ہے جس طرح ان کا دل سے اعتقاد و یقین رکھنا شرط ہے''۔(۲)

اہل سنت کے دیگر علماء کی بھی اس سلسلہ میں یہی رائے ہے جیسا کہ امام نوویؒ ہی بیان فرماتے ہیں:

''اہل سنت کے محدثین، فقہاء اور متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مومن جس کے بارے میں یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ اہل قبلہ میں سے ہے اور یہ (کسی گناہ کی وجہ سے) ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا،

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم، ح ۲۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، ح ۳۶۔۲۲۔

۲۔ شرح مسلم، للنووی، ج ۱، ص ۱۴۹۔

تو یہ وہ شخص ہے جو اپنے دل سے اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کا عقیدہ اتنا پکا ہو کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور وہ شہادتین کے ساتھ اپنی زبان سے اس کا اظہار بھی کرے اور اگر اس میں ان دونوں میں سے صرف ایک ہی بات پائی جائے تو وہ اہل قبلہ (یعنی مسلمانوں) میں شمار نہیں کیا جائے گا''۔(۱)

۳۔اعمال کو ایمان کا جز قرار دینے کی دلیل:

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلماں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر بعد میں یہ حکم بدل گیا اور صرف کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب یہ حکم دیا گیا، اس وقت کئی لوگ فوت ہو چکے تھے۔ان کے بارے میں دوسرے لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ جو اس حکم کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے ہیں، ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔کیا ان کی نمازوں کا ثواب کہیں ضائع تو نہیں ہو جائے گا؟ تو اس پر یہ بتانے کے لیے کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ [سورة البقرة: ١٤٣]

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہیں کرے گا''۔

اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نماز کو ایمان کہا گیا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ نماز ایک عمل ہے۔

اسی طرح بہت سی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے کئی عملوں کی ایمان کے ساتھ اس طرح نسبت کی ہے کہ وہ صاف ایمان کا جز معلوم ہوتے ہیں، بطور مثال ایسی چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(١)...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ، وَاِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ خُمُسًا))(٢)

١۔ ایضاً، ص ٢١٢۔

٢۔ بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، ح٥٣۔ نسائی، کتاب الایمان، ح٥٠٣١۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (عبدالقیس نامی وفد سے) پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کی جائے اور زکاۃ ادا کی جائے اور رمضان کے روزے رکھے جائیں اور غنیمت کے مال کا خمس (بیت المال کو) ادا کیا جائے''۔

(۲)......ایک حدیث میں ہے:

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ))[1]

''جس شخص میں امانت نہیں، اس میں ایمان بھی نہیں''۔

(۳)......ایک اور حدیث میں ہے:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ))[2]

''صفائی اور پاکیزگی ایمان کا بڑا (نصف) حصہ ہے''۔

(٤)...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ))[3]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ساٹھ یا ستر سے کچھ زیادہ شعبے (شاخیں) ہیں۔ ان میں سے سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ (یعنی کلمہ) کا اقرار ہے۔ اور سب سے کم تر یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا جائے۔ اور حیا بھی ایمان کے شعبوں میں سے ہے''۔

۱۔ مجمع الزوائد، ج۱ ص۹٦۔

۲۔ مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء۔ شطر عام طور پر ایک بڑے حصہ کو کہتے ہیں، اس لیے بعض اہل علم شطر کو نصف کے معنی میں بھی لیتے ہیں۔

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب عدد شعب الایمان، ح۳٥۔ اس حدیث میں راوی کو شک ہوا ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں یا ستر سے زیادہ، صحیح بخاری میں بغیر شک کے یہ روایت ہے کہ ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں، دیکھیے: بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ح۹۔

ان چاروں احادیث میں اعمال کو ایمان کا جز اور حصہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے تمام نیک اعمال ایمان کے دائرے میں داخل ہیں۔ جو شخص جتنے نیک عمل کرے گا، اتنا ہی اس کا ایمان بڑھے گا اور جس کے اعمال کم ہوں گے، اس کا ایمان بھی اسی حساب سے کمزور ہوگا۔ البتہ بعض اعمال ایسے بھی ہیں جن کی غیر موجودگی میں ایمان بھی بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کے جسم میں کئی اعضاء ہوتے ہیں، جس کے تمام اعضاءِ بدن صحیح ہوں، وہ اتنا ہی کامل الخلقت اور صحت مند ہوتا ہے اور جس کے اعضاء میں جتنی خرابی ہو، وہ اتنا ہی ناقص الخلقت ہوتا ہے اور بعض اعضاء بالخصوص سر، گردن وغیرہ تو ایسے ہیں جن کے ختم ہونے سے زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اوپر مذکور احادیث میں سے چار نمبر حدیث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن ابی العزؒ عقیدہ طحاویہ کی شرح میں اس حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں:

''ایمان کے کئی شعبے (شاخیں) ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے شہادتین (کلمہ شہادت) کی شاخ ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان ختم نہیں ہوتا جیسے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔ اور ان دو انتہاؤں کے درمیان اور بھی کئی شاخیں ہیں جن میں (ایمان اور کلمہ شہادت کی طرف قریب یا دور کرنے کے لحاظ سے) درجہ بندی پائی جاتی ہے، ان میں سے بعض وہ شاخیں ہیں جو کلمہ شہادت کی طرف قریب کرتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والی شاخ کی طرف قریب کرتی ہیں۔ جس طرح ایمان کی شاخوں کو بھی ایمان ہی کہا جاتا ہے، اسی طرح کفر کی شاخوں کو بھی کفر ہی کہا جائے گا، مثلاً اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی ایمان ہے اور اس کی مخالفت میں قانون سازی کفر ہے''۔[1]

مرجئہ اور فقہائے حنفیہ

مرجئہ فرقہ کی کئی ایک شاخیں ہیں اور ان میں ایمان کی تعریف اور اس کی حدود و قیود کے حوالے سے باہم اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس بات پر تو ان کا تقریباً اتفاق ہے کہ عمل ایمان میں کسی طرح بھی شامل نہیں اور فاسق مومن بھی وہی فضیلت رکھتا ہے جو متقی مومن کی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کے نزدیک ایمان کی

۱۔ شرح العقیدة الطحاویة، لابن ابی العزؒ، ص ۳٤۰۔

کیا تعریف کی جاتی ہے، تو اس حوالے سے ان کے ہاں جو مختلف اقوال ملتے ہیں، ان کا خلاصہ تین اقوال میں بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل بالکل اس میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔ قلبی معرفت اور اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔

۳۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان قول اور معرفت (تصدیق) دونوں چیزوں کا نام ہے، البتہ اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ، ان کے شیخ حماد بن ابی سلیمانؒ، اور ان کے تلامذہ و رفقاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور اسی لیے انہیں بھی مرجئہ کہا جانے لگا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا:

''ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ اقرار اکیلا بھی کافی نہیں ورنہ تمام منافق مومن ہی شمار ہوتے اور اسی طرح دل کی تصدیق اور معرفت بھی اکیلی کافی نہیں، ورنہ تمام اہل کتاب مومن قرار پاتے [کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سچے رسول ہیں]''۔ [۱]

اسی طرح معروف حنفی عالم ابومعین نسفیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''ایمان کا لغوی معنی ہے: 'دل سے تصدیق کرنا'...... اور وہ ایمان جو بندے پر اللہ کے حق کے طور پر فرض ہے، کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرے اس چیز (دین) میں جو آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ جس نے (دل سے) یہ تصدیق کی وہ اللہ کے ہاں مومن ہے اور جہاں تک اس چیز کے زبانی اقرار کا نام ہے، تو اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے (کہ یہ مسلمان ہے) اور اس پر اسلام کے قانونی احکام (حقوق و فرائض) لاگو ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں یہی مروی ہے اور شیخ ابومنصور ماتریدیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور صحیح روایت کے مطابق ابوالحسن اَشعریؒ کی بھی یہی رائے ہے''۔ [۲]

۱۔ شرح الفقہ الاکبر، لعلی القاری، ص ٦٨، ٦٩۔

۲۔ التمهيد فی اصول الدین، للنسفیؒ، ص ٩٩، ١٠٠۔

لیکن مرجۂ اور فقہائے حنفیہ میں ایمان اور اس کے متعلقات کی بحث میں کچھ ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو حنفی مکتبِ فکر کو مرجۂ کے قریب کرنے کی بجائے اہل سنت کے قریب کرتے ہیں اور اسی لیے بہت سے اہل علم نے حنفیہ اور اہل سنت کے دیگر اہل علم میں ایمان کی تعریف کے سلسلہ میں پائے جانے والے اختلاف کو محض لفظی اختلاف قرار دیا ہے نہ کہ حقیقی اختلاف، اور نتیجہ کے اعتبار سے انہیں اور دیگر اہل سنت کو قریب قریب قرار دیا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''یہ بات لازماً واضح رہنی چاہیے کہ اہل سنت کا اس (ایمان کی تعریف کے) مسئلہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، وہ لفظی اختلاف ہے کیونکہ فقہاء میں سے جن لوگوں نے یہ کہا کہ ایمان قول کا نام ہے جیسا کہ حماد بن ابی سلیمانؒ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی اور اس مسئلہ میں اہل کوفہ وغیرہ نے ان کی پیروی کی، تو یہ لوگ بھی باقی تمام علماء اہل سنت کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ گنہگار مذمت اور (سزا کی) وعید میں شامل ہیں''۔[1]

برخلاف مرجۂ کے کیونکہ ان کے نزدیک گنہگار مومن کسی صورت بھی دائمی جہنم کا مستحق نہیں ہے بلکہ ان کے بقول جس طرح کفر کے موجودگی میں کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔

اسی طرح ابن ابی العزؒ اس سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں:

''ایمان کی تعریف کے حوالے سے اہل سنت میں امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، یہ صرف لفظی وصوری نوعیت کا ہے جس سے عقیدہ میں خرابی لازم نہیں آتی۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ اس طرح ہے کہ یہ قلبی ایمان کا لازمہ ہیں یا یہ ایمان کا جز ہیں۔ جہاں تک کبیرہ گناہ کے مرتکب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں (امام ابوحنیفہؒ اور دیگر علماء اہل سنت) سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اللہ چاہے تو اسے (اس کے گناہ کی) سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔......

اہل سنت کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل دونوں چیزوں کا

۱۔ الایمان، ص ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۷۷۔ نیز دیکھیے: مجموع الفتاوی، لابن تیمیۃ، ج ۱۳، ص ۸۳۔

مطالبہ کیا ہے، قول سے میری مراد دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں ہیں کیونکہ جب (اہل علم کے ہاں) یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے تو اس میں قول سے مراد تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن بندوں سے یہ جو دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا ایمان کا لفظ ان دونوں کو شامل ہوتا ہے یا صرف قول (تصدیق واقرار) کو شامل ہوتا ہے اور عمل اس سے خارج ہوتا ہے، خاص کر جب ایمان کا لفظ اکیلا بولا جائے، اور اگر ایمان کا لفظ بول کر دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کیا اس وقت (عمل پر) ایمان کا اطلاق مجازی ہوتا ہے؟، یہی بات (اہل سنت میں) محل اختلاف ہے۔
اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص دل سے تصدیق کرتا ہو، زبان سے اقرار بھی کرتا ہو مگر اعضاء سے (دین پر) عمل نہ کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے، (عذاب کی) وعید کا مستحق ہے''۔ (۱)

ایمان اور اسلام میں فرق

قرآن وسنت میں ایمان اور اسلام دونوں اصطلاحات بہت زیادہ استعمال ہوئی ہیں۔ کبھی دونوں کا ایک ہی مفہوم اور پس منظر ہوتا ہے اور کبھی کچھ فرق ہوتا ہے، اس لیے اہل علم میں اس بات میں اختلاف پیدا ہوا کہ ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماءِ اہل سنت کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی یہ کہ ایمان کہہ کر ہم جو کچھ مراد لیتے ہیں، اسلام سے بھی وہی کچھ مراد ہوتا ہے۔

۲۔ اس سلسلہ میں دوسری رائے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے استعمال ہوں تو پھر ان دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ان سے ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جب ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ایمان سے مراد وہ عقائد (معتقدات) ہوتے ہیں جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسلام سے مراد وہ ظاہری اعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر اہل سنت کا یہی موقف ہے اور اس کی قرآن وسنت سے کئی ایک دلیلیں اہل علم نے بیان کی ہیں جن میں سے ایک دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

۱۔ دیکھیے: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، لابن ابی العزؒ، ص ۳۳۳، ۳۳۴۔

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [سورة الحجرات: ١٤]

''وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت میں اعراب (دیہاتی لوگوں) کے لیے ان کا 'اسلام' تو تسلیم کیا گیا ہے مگر ایمان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابھی تمہارے دلوں میں پوری طرح گھر نہیں کر سکا۔ گویا ایمان کا درجہ اسلام سے زیادہ بڑا ہے اور ضروری نہیں کہ ظاہری اعمال ایمان بھی دل میں گھر چکا ہو۔[(١)]

اسی طرح بعض احادیث میں ایمان اور اسلام میں واضح طور پر فرق بیان ہوا ہے، مثلاً ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ...... قَالَ يَا مُحَمَّدُ! اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْإِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ...... قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ ؟ قَالَ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے...... اس نے کہا: اے محمد! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا

١۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، بذیل آیت مذکورہ، ج ٤، ص ٢٣٤۔ الایمان، لابن تیمیۃ، ص ٢٢٥۔

کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو، اگر تم اس کی استطاعت (طاقت) رکھتے ہو۔

پھر اس نے کہا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت کے دن پر ایمان لاؤ، اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ''۔[1]

ارکان ایمان کا بیان

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (کہ ایمان یہ ہے) کہ تم:

۱۔ اللہ پر ایمان لاؤ،

۲۔ اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ،

۳۔ اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ،

۴۔ اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ،

۵۔ آخرت کے دن پر ایمان لاؤ،

۶۔ اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ''۔[2]

اس حدیث میں چھ چیزوں کے مجموعہ کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ ان چھ چیزوں کو ارکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی رکن کا انکار کرنے یا اس میں شک کرنے سے انسان کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ ان کی تفصیلات و جزئیات میں تاویل اور اجتہاد وغیرہ کی بنیاد پر اختلاف رائے سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، جیسا کہ اگلے صفحات میں تکفیر کے ضوابط اور موانع وغیرہ کے تحت اس پر بحث آئے گی۔

ان چھ چیزوں میں سے پہلی پانچ چیزوں کو قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ایمان کے ارکان کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والسلام، ح۸۔ ومثله فی البخاری، ح۵۰۔

۲۔ ایضاً۔

(۱)...... ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ والْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ﴾ [البقرة : ۱۷۷]

''ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن اور سابقہ صحائف وکتبِ سماویہ) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو''۔

(۲)...... ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔ [سورۃ النساء:۱۳۶]

ان پانچ چیزوں کے ارکان ایمان ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ تقدیر کے بارے میں بعض اہل علم شبہ میں پڑے ہیں کہ اسے بھی ان پانچ ارکان کی طرح ایک رکن کی حیثیت حاصل ہے یا نہیں۔ حق بات یہی ہے کہ اسے بھی ایمان کے رکن کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا ثبوت صرف حدیث ہی سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن مجید میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جن میں تقدیر پر ایمان لانے کے بارے میں صاف ذکر ملتا ہے اور ایمان بالقدر کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَاتَفْرَحُوْا بِمَااٰتٰاكُمْ﴾ [سورۃ الحدید: ۲۲،۲۳]

''کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں (یعنی تقدیر میں لکھی ہوئی) ہے۔ یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ جو تمہیں نہ مل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فخر نہ کرو''۔

(۲)...... ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ [سورۃ القمر:۴۹]

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴾ [سورۃ الاحزاب: ۳۸]

''اور اللہ تعالیٰ کے (سب) کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں''۔

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا (یعنی استثناء کرنا)

کیا انسان اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ''میں مومن ہوں'' یا اس کے ساتھ ''ان شاء اللہ'' بھی کہنا چاہیے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ابن ابی العزؒ بیان فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور تین مختلف آراء ہیں۔ ایک ان لوگوں کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایک ان کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور تیسری رائے ان لوگوں کی ہے جو بعض حالات میں ان شاء اللہ کہنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض حالات میں ناجائز کہتے ہیں اور یہی رائے سب سے صحیح ہے۔......

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی اصل اور بنیاد میں شک کرتے ہوئے کہے کہ ''میں مومن ہوں، ان شاء اللہ''، تو پھر اس طرح کہنا درست نہیں [اس لیے مومن کو اپنے ایمان میں شک نہیں ہونا چاہیے] اور اگر کوئی مومن یہ سمجھے کہ میں بھی ان مومنوں کی طرح ہوں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے ان شاء اللہ بھی کہنا چاہیے''۔ (۱)

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

اس مسئلہ میں جمہور اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ فقہاء حنفیہؒ کے ہاں چونکہ ایمان کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے اس اختلاف کا اثر اس مسئلہ میں بھی ظاہر ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تصدیق اور اقرار کا نام ہے اور تصدیق واقرار میں ظاہری طور پر تو سب برابر ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض حنفی فقہاء نے کہا کہ اصل تصدیق کے لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی مگر یقین کے اعتبار سے ہوتی ہے جبکہ بعض حنفی

۱۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۳۵۱، ۳۵۳۔

فقہاء نے دیگر اہل سنت کی طرح یہی رائے اختیار کی کہ قلبی تصدیق میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔[1]

ایمان کی کمی بیشی کے جواز کے سلسلہ میں قرآن وسنت کے جن دلائل سے جمہور علماءِ اہلِ سنت استدلال کرتے ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہے:

قرآنی دلائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ [سورة الانفال:۲]

''اور جب انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں''۔

(۲)...... ﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [سورة مريم: ۷٦]

''اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھا دیتا ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِيْمَانًا ﴾ [سورة المدثر:۳۱]

''اور ایمان والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایمان میں بڑھا دیتا ہے''۔

(٤)...... ﴿ هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ [سورة الفتح: ٤]

''وہی اللہ ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں''۔

(٥)...... ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ [سورة آل عمران: ۱۷۳]

''وہ (ایمان والے) لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے''۔

۱- دیکھیے: المواقف للایجی، ص ۳۸۸- اصول الدین للبغدادی، ص ۲۵۳-

احادیث

(۱)...... ((عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ شَعِیْرۃٍ مِنْ خَیْرٍ وَ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ بُرَّۃٍ مِنْ خَیْرٍ وَ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ ذَرَّۃٍ مِنْ خَیْرٍ))[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہوا تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔ اسی طرح جس نے کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں گندم کے دانے برابر بھی ایمان ہوا تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔ اسی طرح جس نے کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوا تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔

(۲)......ایک حدیث میں ہے:

((اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا))[2]

''مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل وہ ہے جو سب سے زیادہ بااخلاق ہو''۔

(۳)...... ((عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ))[3]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا''۔

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہ، ح٤٤۔ مسلم، کتاب الایمان، ح١٩٣۔ اس حدیث میں خیر کا ترجمہ ایمان کیا گیا ہے، اس لیے کہ ایک تو سیاق وسباق اسی کا تقاضا کرتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایک راوی نے خیر کی جگہ ایمان کا لفظ بولا ہے۔

۲۔ مسند احمد، ج٢، ص٥٢٧۔ ابوداؤد، ح٤٦٨٢۔ ترمذی، ح١٦٢۔ السلسلۃ الصحیحۃ۔

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی، ح٥٧۔ مثلہ فی البخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ح٩

(۴)......ایک حدیث میں ہے:

((لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ))[1]

''جس شخص میں امانت نہیں، اس میں ایمان بھی نہیں''۔

امام نوویؒ اس جیسی احادیث کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''صحیح بات جسے محققین نے بیان کیا ہے، اس کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب گنہگار گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان (موجود تو ہوتا ہے مگر) کامل نہیں رہتا۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو کسی چیز کی نفی کے لیے جب استعمال ہوتے ہیں تو اس وقت نفی کمال مراد ہوتی ہے (نفی شے مراد نہیں ہوتی) مثلاً جیسے کہا جاتا ہے کہ لَا عِلْمَ اِلَّا مَا نَفَعَ. ''کوئی علم نہیں ہے مگر صرف وہی جو نفع مند ہو''۔ لَا مَالَ اِلَّا الْاِبِلَ. ''کوئی مال نہیں ہے مگر صرف وہ جو اونٹ ہوں''۔[اس کا مطلب یہ نہیں کہ اونٹوں کے علاوہ کوئی چیز مال نہیں ہوتی بلکہ عرب محاورے میں اس سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ جو مالیت اور قیمت اونٹ کی ہے وہ بکری، گائے وغیرہ دوسری چیزوں کی نہیں][2]

صحابہ کرامؓ کے اقوال

۱۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''اَلْاِیْمَانُ یَزْدَادُ وَ یَنْقُصُ''[3]

''ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے''۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَ یَنْقُصُ''[4]

''ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے''۔

۱۔ مجمع الزوائد، ج۱ ص۹۶۔

۲۔ شرح مسلم، للنوویؒ، ج۲، ص۴۱۔

۳۔ السنة، لعبد الله بن احمد، ۷۴۔ الابانة، لابن بطة، ج۲، ص۸۴۳۔ اللالکائی، ج۵، ص۹۴۴۔

۴۔ السنة، لعبد الله بن احمد، ۷۵۔ الابانة، لابن بطة، ج۲، ص۸۴۴۔ اللالکائی، ج۵، ص۹۴۵۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا وَيَقِيْنًا وَفِقْهًا"(۱)

''اے اللہ! ہمارے ایمان، یقین اور فہم میں اضافہ فرما''۔

امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''ایمان میں زیادتی اور کمی کا ثبوت صحابہ سے بھی ثابت ہے اور کسی صحابی کا اس مسئلہ میں اختلاف بھی منقول نہیں ہے''۔(۲)

اہل ایمان کے ایمان کے لحاظ سے مختلف درجات

علماء اہل سنت کے ہاں اہل ایمان اپنے اپنے ایمان کے لحاظ سے مختلف درجات میں ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴾ [سورة فاطر: ۳۲]

''پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے میں ہیں اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہی بڑا فضل ہے''۔

اس آیت کے پیش نظر بہت سے اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ اہل ایمان کے تین مختلف درجات ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کا ایمان انتہائی کامل درجہ کا ہے، کچھ کا ایمان ناقص ہے کامل نہیں۔ پھر یہ ناقص بھی کسی کا زیادہ ناقص ہے اور کسی کا کم ناقص ہے۔

جن احادیث میں ایمان کے مختلف شعبوں کا بیان ہے، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں عمل کے لحاظ سے مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں ایمان کے شعبوں کو بیان کیا گیا ہے، کی تشریح میں امام خطابیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

۱۔ الابانة، لابن بطة، ج۲، ص۸٤٦۔ اللالكائى، ج٥، ص٩٤٢۔ فتح البارى، ج١، ص٤٨۔

۲۔ الایمان، ص۲۱۱

''شرعی طور پر جس چیز کو ایمان کہا جاتا ہے، اس سے مراد ایسی چیز ہے جس کے کئی شعبے اور اجزاء ہیں، کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے۔ لفظ ایمان کا اطلاق ان میں سے کسی بھی شعبے پر اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تمام شعبوں پر ہوتا ہے، البتہ ایمان کی حقیقت اس حالت کا تقاضا کرتی ہے جس میں تمام شعبے پورے ہوں اور تمام اجزاء کا اس میں احاطہ کیا گیا ہو''۔ (۱)

اہل ایمان کے مختلف درجات بیان کرتے ہوئے ابوعبیدؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''ہر چیز کا ایک نام ہوتا ہے، جب آدمی اس کا آغاز کرتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے تو اس چیز کی مناسبت سے اسے اسی چیز کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس میں آگے ہوتا ہے اور کوئی پیچھے۔ مثلاً آپ کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں، کچھ نماز کے شروع میں ہیں، کچھ رکوع میں، کچھ سجدے میں، کچھ قیام میں اور کچھ تشہد میں تو یہ سب اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں نمازی کہا جائے اور اس لیے اُن سب کو نمازی ہی کہا جاتا ہے حالانکہ کوئی نماز کے شروع میں ہوتا ہے اور کوئی درمیان میں اور کوئی آخر میں۔...... یہی صورتحال ایمان کی بھی ہے۔ ایمان کے بھی مختلف درجے اور منزلیں ہیں لیکن ان مختلف درجات کے سبھی لوگوں کے لیے ایک ہی نام (یعنی مومن) بولا جاتا ہے''۔ (۲)

ایمان کا وہ درجہ (حد) جس کے بعد کفر ہے

ایمان کے مختلف درجات اور حدود میں ایک حد یا درجہ وہ ہے جس کے پیچھے ایمان باقی نہیں رہتا بلکہ اس حد سے آگے بڑھ جانے والا پھر کفر میں داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ امام مروزیؒ بیان فرماتے ہیں:

''کفر ایمان کی 'اصل' (جڑ اور بنیاد) کی ضد ہے کیونکہ ایمان کی ایک اصل ہوتی ہے اور باقی فروع ہوتی ہیں اور کفر اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ ایمان کی اصل ہی ختم نہ ہو جائے''۔ (۳)

اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

''عامۃ الناس جو کفر سے اسلام میں داخل ہوئے ہوں یا اسلام پر پیدا ہوئے ہوں اور شریعت کی پیروی

۱۔ معالم السنن، ج۵، ص۵۶۔

۲۔ الایمان، لابی عبید، ص۷۵، ۷۶۔

۳۔ تعظیم قدر الصلاۃ، للمروزی، ج۲ ص۵۱۳۔

کو لازم سمجھتے ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں تو وہ مسلمان ہیں اور ان کا ایمان ابھی ایمان مجمل ہے جبکہ حقیقی ایمان کا ان کے دلوں تک پہنچنا آہستہ آہستہ ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ کی توفیق سے ان کے لیے یہ ممکن ہو، ورنہ بہت سے لوگ تو اس یقین کے درجہ تک اور (اس ایمان کی خاطر) جہاد کرنے تک پہنچ ہی نہیں پاتے۔ اگر انہیں (ایمان کے سلسلہ میں) شک ڈالا جائے تو وہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر ان سے (ایمان کی خاطر) جہاد کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے حالانکہ وہ کافر یا منافق نہیں ہوتے، تاہم ان کے دلوں میں علم، معرفت اور یقین اس درجہ کا نہیں ہوتا جو ان کے شک کو دور کر سکے اور نہ ہی انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس درجہ کی محبت حاصل ہوئی ہوتی ہے کہ جس کے لیے وہ اپنے اہل اور مال کی قربانی دے سکیں۔ اگر تو ایسے لوگ موت تک کسی آزمائش سے بچے رہ جائیں تو جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں اور اگر ان کی آزمائش کسی ایسے بندے کے ساتھ ہو جائے جو ان میں شکوک وشبہات پیدا کرے اور اللہ کی طرف سے ان شبہات کے ازالہ کے لیے اللہ کا فضل بھی ان پر نہ ہو تو یہ شک کرنے والے بن جاتے ہیں اور نفاق کی ایک قسم کے مرتکب ہو جاتے ہیں''۔[1]

کبیرہ گناہ کے مرتکب کا ایمان

اہل علم کے ہاں گناہوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جنہیں کبائر یعنی کبیرہ گناہ کہا جاتا ہے اور ایک وہ جنہیں صغائر یعنی صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے۔

ایک مسلمان اگر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو کیا وہ مسلمان و مومن رہے گا یا دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب میں خارجی فرقے نے یہ رائے اختیار کی کہ ایسے لوگوں کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا انہیں کافر قرار دیا جائے گا اور آخرت میں بھی یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جب کہ معتزلہ نے کہا کہ ایسا بندہ نہ مومن ہے نہ کافر، بلکہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے اور اس کے لیے فاسق کی اصطلاح بولی جائے گی۔ دنیا میں یہ ایمان والوں کی صف سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کے احکام (دنیوی حقوق وفرائض) مومنوں کی طرح ہی ہوں گے اور آخرت میں یہ کافروں کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۱۔ الایمان، لابن تیمیۃ، ص ۲۵۷، ۲۵۸۔

مرجئہ نے کہا کہ ایسے لوگوں کا ایمان کسی صورت بھی ختم نہیں ہوتا، خواہ وہ سرے سے کوئی نیک عمل نہ کریں۔

اہل سنت کا موقف خوارج اور مرجئہ کے درمیان ہے اور وہ یہ کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا لیکن شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے ہٹ دھرمی سے حلال قرار نہ دیتا ہو جیسا کہ امام بغویؒ بیان فرماتے ہیں:

''اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مومن اپنے ایمان سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ کو حلال نہ کہتا ہو۔ اگر وہ گناہ کی حالت میں توبہ کرنے سے پہلے مر جائے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے۔ البتہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، اللہ چاہے تو اس کے اس کبیرہ گناہ کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہ کے بقدر اسے سزا دے اور پھر اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل کر دے''۔ (۱)

اہل سنت اپنے اس موقف کے لیے جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں وہ درج ذیل نوعیت کے ہیں:

۱۔ ایک تو وہ دلائل جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دیں گے۔ ظاہر ہے شرک کے علاوہ بے شمار کبیرہ گناہ جو کفر صریح کی حدود میں داخل نہیں ہوتے، انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

۲۔ دوسرے وہ دلائل جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید پر مرنے والا خواہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہی کیوں نہ رہا ہو، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا، تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ تو میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں، خواہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو!''۔ (۲)

۱۔ شرح السنة، للبغویؒ، ج۱، ص۱۰۳۔

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب من مات من امتی لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں بیان فرماتے ہیں کہ

''یہ حدیث اہل سنت کے اس موقف کی دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہیں گے۔ اگر وہ جہنم میں گئے تو (سزا پانے کے بعد) اس سے نکال لیے جائیں گے اور بالآخر ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کردیے جائیں گے''۔ (۱)

۳۔ تیسرے وہ دلائل جن میں صاف اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو گناہ کے ارتکاب کے باوجود مومن ہی کہا گیا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِن طَـائِفَتَـانِ مِـنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَـقَـاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ إِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰـهَ يُـحِـبُّ الْـمُـقْسِطِيْـنَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [سورة الحجرات: ۹، ۱۰]

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والی جماعت سے اس وقت تک لڑو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنا کبیرہ گناہ ہے، مگر اس کے باوجود ایسے لوگ دائرہ ایمان سے خارج قرار نہیں دیئے گئے بلکہ انہیں مومن کہہ کر ہی اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جسے حمار (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص شراب کی حرمت کے باوجود شراب پی لیتا۔ اسے کئی مرتبہ اس جرم کی سزا بھی دی گئی مگر اس سے پھر اس جرم کا ارتکاب ہوجاتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب اسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے گئے تو حاضرین میں سے کسی شخص نے غصہ میں آکر کہا:

۱۔ شرح مسلم، للنوویؒ، ج۲، ص۹۷۔

((اَللّٰھُمَّ الْعَنْهُ مَا اَکْثَرَ مَا یُؤْتیٰ بِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ: لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ))

''اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے!، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے......!''[1]

بظاہر یہ شرابی تھا اور اس جرم میں کئی مرتبہ رنگے ہاتھوں پکڑا اور سزا بھی دیا گیا مگر اس کے باوجود اس کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت موجود تھی جس کی گواہی خود نبی اکرم ﷺ نے دی ہے......!

۴۔ چوتھے وہ دلائل ہیں جن میں کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کو کافر و مرتد قرار دے کر قتل کر دینے کی بجائے ان پر ان کے گناہوں کی سزا کے لیے مختلف حدیں مقرر کی گئی ہیں مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، زانی کو سو کوڑے یا رجم کی سزا دی جائے گی، شرابی اور تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر ان گناہوں کے ساتھ انسان کا ایمان ختم ہو جاتا تو پھر یہ سزائیں دینے کی بجائے انہیں مرتد قرار دے کر ہر حال میں قتل ہی کیا جاتا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

......☆......

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وانه لیس بخارج من الملة، ح۶۷۸۰۔

باب ۲

انسان اور کفر ومکفرات

(نواقضِ ایمان)

'کفر'...... معنی ومفہوم اور اس کی بنیادی اقسام

انسان کو کافر بنانے والی چیزیں (یعنی مکفرات)

اعتقادی مکفرات / اعتقادی نواقض

قولی مکفرات / قولی نواقض

عملی مکفرات / عملی نواقض

الحکم بغیر ما انزل اللہ!

......☆......

فصل ا

کفر......معنی ومفہوم اور اس کی بنیادی اقسام

اس فصل میں لغوی اور اصطلاحی طور پر کفر کے معنی ومفہوم اور اس کی اقسام کے بارے میں بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

کفر کسے کہتے ہیں؟

کفر کا لفظ عربی میں کسی چیز کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کاشت کار (کسان) کے لیے بھی لغوی طور پر 'کافر' کا لفظ بولا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بیج کو جب کھیت میں ڈالتا ہے تو اسے کھیت کی مٹی میں چھپا دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ﴾ [سورة الحديد: ٢٠]

''اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے''۔

اسلامی اصطلاح میں کفر کا لفظ ایمان کے بالمقابل (یعنی متضاد کے طور پر) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کافر اسے کہتے ہیں جو دینِ حق کو دل وجان سے تسلیم کرنے اور اس کا اقرار کرنے کی بجائے اسے چھپاتا ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے کسی چیز کو چھپانا ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لیے لفظ کفر کا معنیٰ 'انکار' بھی کیا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''لغوی طور پر کفر کا معنی ہے: ستر الشیء۔ بعض ماہرین لغت کے بقول رات اور کسان کے لیے بطور اسم تو نہیں البتہ بطور صفت لفظ 'کافر' بولا جاتا ہے، اس لیے کہ رات تمام لوگوں کو (اپنے اندھیرے میں) چھپا لیتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کفرانِ نعمت یعنی کسی نعمت کے کفر سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا نہ کر کے اسے چھپایا جائے۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کیا جائے۔ جب کسی نعمت کو چھپایا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے اس نعمت کا انکار کرنا ہی

سمجھا جاتا ہے، اس لیے کفر کا لفظ انکار کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾

یعنی ''اس کا انکار کرنے والے اور اسے چھپانے والے نہ بنو''۔...... کفر ایمان کی ضد ہے''۔[1]

اصطلاحی طور پر 'کفر' کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں، ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسا مشترک نکتہ بیان کیا جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو، تو وہ یہی ہے کہ ''کفر ایمان کی ضد ہے''۔ اب جس شخص کے نزدیک جو چیز ایمان ہے، اس کی ضد اس کے نزدیک کفر قرار پائے گی۔

ایمان کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں بیان کی ہیں جیسا کہ خوارج، معتزلہ، اشاعرہ اور اہل سنت کا اس سلسلہ میں اختلاف مشہور ہے۔ لہٰذا جو چیز ان میں سے جس فرقے کے نزدیک ایمان کی تعریف کے منافی ہوگی وہ اس کے نزدیک کفر میں شمار ہوگی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان فرقوں میں سے جس کے نزدیک جو تعریف 'مسلمان' کی کی جاتی ہے، اس تعریف کی ضد کو اس کے نزدیک کفر کہا جائے گا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بات اصولی حد تک تو صحیح ہے مگر تفصیلات و جزئیات میں اس اصول اور قاعدے کے اطلاق میں کئی اور پہلو بھی مدنظر رکھنا پڑتے ہیں۔

ابو ہلال عسکری اپنی کتاب **فروق اللغویۃ** میں بیان فرماتے ہیں کہ

''کفر کا لفظ کئی ایک گناہوں پر بولا جاتا ہے جن میں شرک باللہ، نبوت کا انکار، اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنا وغیرہ شامل ہے اور یہ آخری چیز ایک لحاظ سے نبوت ہی کا انکار ہے''۔[2]

نیز فرماتے ہیں:

''کفر اور شرک میں فرق یہ ہے کہ کفر بہت سی صورتوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا ہے اور یہ ایسی خصلتیں ہیں جن میں سے ہر خصلت ایمان کی ضد ہے، کیونکہ بندہ جب کفر کی ایک خصلت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ایمان کی ایک خصلت کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اور شرک بھی کفر کی ایک خصلت ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنایا جائے۔ شرک کے اشتقاقات

۱۔ مفردات القرآن، للراغب الاصفهانیؒ، ص۴۳٤۔

۲۔ فروق اللغویہ، لابی هلال العسکری، ص۱۸۹۔

میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے، پھر کثرت استعمال اور بہت بڑا گناہ ہونے کی وجہ سے ہر کفر کو شرک کہا جانے لگا۔ کفر کی اصل (لغوی معنی) ناشکری ہے اور اس کا متضاد لفظ شکر گزاری ہے۔ اور کفر باللہ کا متضاد 'ایمان' ہے۔ ایمان کو ضائع کرنے والے کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حقوق کو ضائع کرتا ہے اور اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری جو اس پر فرض تھی، اس کی پروانہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔ شرک کا اصل متضاد ہے 'اخلاص'، لیکن جب شرک کا لفظ ہر کفر کے لیے استعمال ہونے لگا تو پھر 'ایمان' اس کا متضاد بن گیا''۔[1]

کفر کی اقسام: کفر اکبر اور کفر اصغر

اہل علم نے کفر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔ کفر اکبر سے مراد کفر کی وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے اس صورت کو مخرج من الملة کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقضِ ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں۔ اس میں شرک، اعتقادی نفاق، دین سے استہزاء، نبی کریم ﷺ سے طنز و تشنیع وغیرہ شامل ہیں۔ اعاذنا الله منها اجمعين!

اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔ جن احادیث میں ان گناہوں پر کفر یا نفاق کا لفظ بولا گیا ہے، ان میں کفر اور نفاق سے کفر اصغر اور نفاق اصغر ہی مراد لیا گیا ہے۔

نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی اقسام

نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

۲۔ وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

۳۔ اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ایضاً، ص ۱۹۱

ا۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم کفر عناد یا کفر استکبار کہتے ہیں۔

۲۔ اور اگر حق کا علم ہی نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو کفر تکذیب اور کفر جہل کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو کفر جحود کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے کفر نفاق کہا جاتا ہے۔

......☆......

فصل ۲

انسان کو کافر بنانے والی چیزیں (یعنی مکفرات)

یہاں ہم ان چیزوں کو بیان کریں گے جن کے ارتکاب سے ایک مومن شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ایسی تمام چیزیں بنیادی طور پر کفر (یعنی کفر اکبر) کہلاتی ہیں کیونکہ یہ چیزیں ایمان کی ضد ہیں اور ایمان کی ضد ہی کا دوسرا نام کفر ہے۔اور اس کفر میں شرک،اعتقادی نفاق،دین وشریعت سے استہزا و مذاق وغیرہ سب شامل ہیں کیونکہ یہ سب کفر کی اقسام ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے۔

کفر اکبر کی بعض صورتیں قلبی اعتقاد (نظریہ وعقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں،بعض قول سے اور بعض عمل سے۔

آئندہ سطور میں ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کریں گے اور ان کے لیے 'مکفرات' کا لفظ استعمال کریں گے جس کا معنی ہے' کافر بنادینے والی چیزیں'۔بعض اہل علم نے ان کے لیے 'نواقضِ ایمان' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے جس کا مطلب ہے:'ایمان کو توڑ دینے،ختم کردینے اور ضائع کردینے والی چیزیں'۔

ایمان کو ختم کردینے والی کفریہ چیزیں تین طرح کی ہیں:

۱۔وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔

۲۔وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

دوسری قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

اور تیسری قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

اب آئندہ صفحات میں بالترتیب ان سب کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

[1]......اعتقادی مکفرات/اعتقادی نواقض

اعتقادی مکفرات سے مراد ہر وہ عقیدہ ہے جو یا تو ایمان کے بنیادی ارکان میں سے کسی رکن کی صاف نفی و انکار پر مبنی ہو یا پھر اس چیز کے منافی اور متضاد ہو جو اسلامی عقائد میں قطعی، یقینی و بدیہی (یعنی بالکل واضح) طور پر مستند و محکم اور بقولِ جمہور متواتر دلائل سے ثابت ہو۔ آئندہ سطور میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی

اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی کی بڑی اور بنیادی صورتیں یہ ہیں کہ

ا۔ اللہ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے۔

۲۔ یا وجود باری تعالیٰ تسلیم تو کیا جائے مگر اس طرح اور ان صفات و افعال کے ساتھ نہیں جیسے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا اللہ کی صفات و افعال کا انکار کفر ہے۔

۳۔ یا اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ شرک خواہ اس کی ذات میں ہو، صفات میں ہو یا عبادات میں۔

اب بالترتیب ان تینوں نکتوں کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

ا۔ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار

اللہ کے رب ہونے، یا الٰہ/معبود ہونے یا قرآن وسنت میں بیان کی گئی صفاتِ ربوبیت سے متصف ہونے کو تسلیم نہ کرنا اعتقادی کفر کی ایک صورت ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ......"اس کائنات کا کوئی خالق حقیقی (اللہ) نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ خود بخود وجود میں آیا اور خود بخود چل رہا ہے"......تو یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

دنیا میں ایسے مذاہب بہت کم ہوئے ہیں جو ایک بڑے معبود (الٰہ) یا دوسرے لفظوں میں خدا کے منکر ہوں۔ عصر حاضر میں روس کے کیمونسٹوں کو منکرینِ خدا کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح

ماضی کی تاریخ میں بھی منکرینِ خدا کا کہیں کہیں وجود ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو دہریہ کہا گیا ہے مگر مجموعی طور پر انسانیت ہمیشہ خدا کے تصور کی قائل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کے خدائی حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا یا اس کی صفات کا غیر اللہ پر انطباق کرنا یا اس کی شان کے منافی تصورات قائم کرنا بھی انسانی تاریخ میں معمول رہا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ثابت شدہ صفت کا انکار

اللہ تعالیٰ کے بارے میں کفرِ اعتقادی کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم یا صفتِ قدرت یا دیگر قطعی ثابت شدہ صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیا جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے کسی فعل کا انکار کیا جائے۔ خواہ کلی طور پر ایسا کیا جائے یا جزوی طور پر۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

کفرِ اعتقادی ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کی ذات، عبادت یا صفات میں شرک کیا جائے یعنی اگر ایک شخص اللہ کے کائنات کا خالق و مالک (رب) ہونا تو تسلیم کرتا ہو مگر اللہ کی وحدانیت، الوہیت، قدرت اور صفات کو اس طرح تسلیم نہ کرتا ہو جس طرح قرآن و سنت میں واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس بارے میں اس کے عقائد و نظریات قرآن و سنت کے صاف منافی اور شرک پر مبنی ہوں تو وہ کفریہ عقائد کہلائیں گے مثلاً اللہ کو ایک کی بجائے تین سمجھنا، اللہ کو یکتا سمجھنے کی بجائے صاحب اولاد سمجھنا، اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک بنانا۔ یہ عقائد شرکیہ بھی ہیں، اس لیے کہ ان میں غیر اللہ کو اللہ کی ذات یا عبادت میں شریک کیا جاتا ہے اور انہیں کفریہ عقائد بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی اور متضاد عقائد ہیں اور ہر وہ چیز کفر کہلاتی ہے جو ایمان کی ضد ہو۔ خواہ وہ شرک ہو، یا نفاق یا کچھ اور۔

اللہ کی ذات میں شرک

قرآن مجید میں دوٹوک انداز میں یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کی ذات میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ تنہا اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و منتظم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی بجائے یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ اکیلا نہیں بلکہ اس کی اولاد بھی ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی ذات کے مختلف حصے اور جز ہیں تو یہ سب شرکیہ عقائد ہیں اور ایمان کے منافی ہونے

کی وجہ سے ان عقائد کو 'کفریہ عقائد' قرار دیا جائے گا جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کی اولاد کا عقیدہ اختیار کیا تو قرآن مجید میں ان کے اس عقیدے کو کفر اور شرک سے تعبیر کیا گیا مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ [سورة المائدة: ۷۲،۷۳]

''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ تحقیق وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

(۲)...... ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [سورة المائدة: ۷۵]

''مسیح ابن مریم سوائے ایک پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔''

(۳)...... ﴿ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهُ أَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ [سورة النسآء: ۱۷۱]

''اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا حکم ہیں، جسے مریم (علیہا

السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ (اسی میں) تمہارے لیے بہتری ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔''

(٤)...... ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾[سورة التوبة: ٣٠، ٣١]

''یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے، وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے''۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال میں شرک

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو اس کے مثل سمجھنا، یا اس کی اولاد سمجھنا یا اس کی ذات کا حصہ سمجھنا شرک ہے، اسی طرح اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کسی اور کو اس کے مثل سمجھنا، یا اس کے ساتھ برابر شریک سمجھنا بھی شرک ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے پاس تقدیر (لوح محفوظ) کا علم ہے اور وہی اچھی یا بری تقدیر کے بارے میں پہلے سے سب کچھ جانتا ہے، اب اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لیے یہی صفت ثابت کرے تو یہ شرک ہے۔

اسی طرح اللہ کو از خود غیب کا پورا علم ہے، لیکن اگر کوئی شخص مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے بھی غیب کا بالکل ویسے ہی اور اتنا ہی علم ہے جیسے اور جتنا اللہ کو ہے تو یہ شرک ہے۔

انسانی معاشرے میں ہمیشہ سے ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو غیب کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ غیب تو اللہ

کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تاہم جنات وشیاطین کے ذریعے یہ لوگ بعض اوقات ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جو دیگر انسانوں کے علم میں نہیں ہوتیں اور بعض اوقات یہ ظن وتخمین اور اٹکل پچوؤں اور اندازوں سے کام چلاتے ہیں۔ان لوگوں کو کاہن اور جادوگر بھی کہا جاتا ہے۔ایسا کام خود کرنا یا ایسے لوگوں کے پاس ان کی حمایت وتصدیق کے لیے جانا یا جنات وشیاطین سے تعلقات پیدا کرنے کے لیے جادو وغیرہ سیکھنا سخت منع ہے، بلکہ بعض احادیث میں ان چیزوں کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے۔جمہور اہل علم اس سے کفر اصغر مراد لیتے ہیں، نہ کہ کفر اکبر۔اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ انہیں کفر اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ چیزیں کفر اکبر کی طرف لے جاتی اور اس کے لیے دروازے اور راستے (Gateway) کا کام کرتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جب، جیسے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔اب یہی صفت اگر کوئی شخص غیر اللہ میں بھی تسلیم کرے کہ فلاں شخص بھی یہی قدرت رکھتا ہے تو یہ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت قدرت کو قرآن وحدیث میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً ذیل میں اس حوالے سے دو حدیثیں ملاحظہ کریں جن میں نبی کریم ﷺ نے خود اللہ تعالیٰ کی اس صفت قدرت کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے:

۱۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا ہے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔اے اللہ! جو تو دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکنا چاہے اسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے سامنے کسی بڑے کی بڑائی (یا دولت والے کی دولت) اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی''۔[1]

۲۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

۱۔ بخاری، کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطی اللہ، ح ٦٦١٥۔

((یَا غُلَامُ! اِنِّیْ اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تَجَاهَكَ، اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ اِنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ))[1]

''اے لڑکے! میں تمہیں کچھ باتیں بتاتا ہوں (انہیں نوٹ کرلو) اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو تم (مشکل میں) اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب بھی سوال کرو، اللہ ہی سے کرو۔ اور جب بھی مدد مانگو، اللہ ہی سے مدد مانگو۔ اور یاد رکھو کہ اگر ساری امت کے لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو تمہارے نصیب میں (پہلے سے) لکھا ہوا ہے (اس سے زیادہ نہیں) اور اگر ساری امت کے لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا ہے تو وہ صرف اتنا ہی نقصان تمہیں پہنچا سکتے ہیں جو پہلے سے تمہارے مقدر میں لکھا ہے۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے (جن میں تقدیر لکھی گئی ہے) خشک ہو چکے ہیں (یعنی اب ان میں مزید کچھ کمی بیشی نہ ہوگی)''۔

اللہ کی عبادت میں شرک

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف حکم دیا ہے کہ اسی اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [سورة البقرة: ۲۱،۲۲]

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو''۔

۱۔ ترمذی، کتاب صفہ القیامۃ، باب حدیث حنظلۃ، ح۲۵۱۶۔ مسند احمد، ج۲ ص۲۹۳۔

اللہ کی عبادت میں شرک یہ ہے کہ عبادت کی اقسام میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کے لیے بجالایا جائے۔
عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل [مادہ] **عبد** (یعنی ع۔ب۔د) ہے۔ عبادت کا معنی ہے انتہا درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری وفرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے، اسی طرح ایک لفظ **عبودیت** ہے، اس کا معنی ومفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظِ **عبادت** کا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب **مفردات القرآن** میں رقم طراز ہیں کہ

''**العبودیة** کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر **العبادة** کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے **العبادة** کا لفظ **العبودیة** سے زیادہ بلیغ ہے لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے جو بے حد صاحب افضال وانعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الٰہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ (۱۷۔۲۳)' کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' ["مفردات القرآن" (ج۲،ص ٦٦٢،٦٦٣)]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبد/انسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا ومالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی وفرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی وفرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہوسکتے ہیں اس کے لیے عہد نبویؐ کے عرب معاشرہ کے آقا وغلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل وضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اسی کا وفادار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی ومنشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب واحترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم وتقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایان شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے

عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت و بندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاتباع سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع وسجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاح حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ سچ بولو جھوٹ نہ بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تولو کمی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو...... تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر و حکم، اس کے ادب و احترام اور اس کے مقام و مرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے، یہی اس کی عبادت ہے۔

عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی عبادات، مالی عبادات اور بدنی عبادات۔ لہٰذا زبان، مال اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالانی چاہییں۔ یہی وہ توحید (توحید عبادت / توحید الوھیت) ہے جس کا قرآن مجید میں جگہ جگہ مطالبہ کیا گیا ہے۔

زبانی عبادات میں دعا، پکار، ندا، فریاد، استغاثہ (مدد مانگنا)، استعاذہ (پناہ مانگنا)، رضا طلب کرنا اور ذکر و حمد وغیرہ شامل ہیں۔

جسمانی و بدنی عبادات میں وہ تمام عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل یا جسم کے ساتھ ہے مثلاً ایمان ویقین، محبت وخشیت، رجا و رغبت، توکل وانابت وغیرہ۔ ان کا تعلق دل سے ہے جب کہ نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و روزہ وغیرہ دیگر جسمانی اعضاء سے تعلق رکھنے والی عبادات ہیں۔ اور مالی عبادات میں نذر و نیاز، صدقہ وخیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے۔

شرک کی مذمت کے دلائل

اب اس سلسلہ میں چند ایک وہ آیات ملاحظہ فرمالیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک ایمان کی ضد اور ایک ناقابل معافی جرم ہے اور شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا﴾ [سورة النسآء: ١١٦]

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں وہ (اللہ) شرک کے علاوہ گناہ، جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

[سورة المائدة ٧٢،٧٣]

''بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''۔

مسلمانوں میں اس بات پر کبھی اختلاف نہیں رہا کہ شرک ایمان کی ضد ہے اور مشرک پکا کافر ہے اور اگر وہ بغیر توبہ کیے شرک ہی کی حالت میں مر گیا تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا۔ البتہ کون سی چیز شرک ہے اور کون سی نہیں، اس حوالے سے بعض چیزوں کی تعیین اور حد بندی کے سلسلہ میں دلائل کی بنیاد پر اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے یا گناہ کبیرہ، دعا میں نبیوں کا وسیلہ پیش کرنا شرک ہے یا بدعت، یا مستحب و مستحسن۔ اللہ کے علاوہ نبیوں کو بھی غیب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟

یہ بحث تاویل کے دائرہ میں چلی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں تکفیر کے ان ضابطوں اور موانع کو مدنظر رکھا جائے گا جو تاویل کے بارے میں علماءِ اہل سنت نے بیان کیے ہیں۔ ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

شرک اصغر؛ ریا کاری

گزشتہ صفحات میں جتنی بحث ہوئی ہے، یہ شرک اکبر کے حوالے سے تھی۔ شرک اکبر سے مراد شرک کی ہر وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بشرطیکہ تکفیر کے ضوابط پورے ہوں۔ اس کے علاوہ شرک کی ایک صورت وہ ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا البتہ جس عمل میں یہ شرک پایا جائے، اس عمل کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اس صورت کو 'شرک اصغر' یا 'ریا کاری' کہا جاتا ہے۔

شرک اکبر اور شرک اصغر یعنی ریا کاری میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ حکمیؒ نے اپنی کتاب 'معارج القبول' میں بڑی اچھی وضاحت کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''ریا کاری کو قرآن مجید میں بہت سی جگہ پر مطلق انداز میں بیان کیا گیا ہے اور کبھی اس سے نفاق اکبر بھی مراد لیا گیا ہے کہ جس کا مرتکب جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا...... ریا کاری کی وہ صورت جسے قرآن میں نفاق اکبر کہا گیا ہے اور وہ صورت جسے نبی کریم ﷺ نے شرک اصغر کہا گیا ہے، ان دونوں میں فرق اس حدیث کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے جس میں ہے کہ ''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔............

اگر ایک شخص کوئی عمل کرے جس کا محرک (بنیاد) اللہ کی رضا اور دار آخرت کی بہتری ہو، اور اس عمل میں دکھلاوا (ریا کاری) بھی نہ ہو اور وہ شریعت کے مطابق بھی ہو تو یہ مقبول عمل صالح ہے۔

اور اگر ایک شخص غیر اللہ کی رضا کے لیے کوئی عمل کرے تو یہ نفاق اکبر ہے، خواہ اس عمل کا محرک دنیاوی جاہ و حشمت اور مقام و منصب کا حصول ہو یا کسی کا مال و جان وغیرہ کا نقصان مطلوب ہو۔

یہ دونوں صورتیں (یعنی اللہ کی رضا اور غیر اللہ کی رضا) ایک دوسرے کی ضد ہیں...... اور اگر کوئی شخص اللہ کی رضا اور آخرت کی بہتری کی نیت سے کوئی عمل کرے مگر اس عمل کو مزین کرنے اور اچھا بنانے کے لیے ریا کاری کی سوچ اس کے ذہن میں آ جائے تو پھر یہی وہ حالت ہے جسے نبی کریم ﷺ نے شرک اصغر کہا ہے۔...... یہ شرک (اصغر) انسان کو دین سے خارج نہیں کرتا، البتہ جس عمل میں یہ آ جائے اس کا ثواب متاثر ہو جاتا ہے اور اگر یہ (شرک اصغر/ریا کاری) اس عمل پر پوری طرح غالب آ جائے تو اس سے پورا عمل ہی ضائع ہو جاتا ہے، معاذ اللہ!''۔ (۱)

۱۔ معارج القبول شرح سلم الوصول الی علم الاصول، للحکمی، ج۱، ص۴۵۳، ۴۵۴۔

۲۔نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی

نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔اُن سچے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو دل سے تسلیم نہ کیا جائے جن کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً جس طرح یہودی اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔یا اللہ کی طرف سے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری نبیوں اور رسولوں کو سونپی گئی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے وہ پیغام اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا، اس پیغام کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا کلی یا جزوی طور پر انکار کرنا، جیسا کہ ان کے دور میں کافر لوگ کیا کرتے تھے۔

۳۔یا نبی کریم ﷺ کے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا۔ یا نئے نبی کی ضرورت اور امکان کا عقیدہ رکھنا یا نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نبی و رسول سمجھنا۔

۴۔اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھنا یا آپ کی پسند سے نفرت کرنا بھی کفر اعتقادی میں شامل ہے۔

اب ان چیزوں کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

۱۔تمام سچے نبیوں کے بارے میں مجملاً ایمان لانے کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ والْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ﴾ [سورة البقرة : ۱۷۷]

’’ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو‘‘۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا ﴾ [سورة النحل:٣٦]

''بے شک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔''

٢۔ نبی کریم ﷺ کے نبیِ برحق ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

(١)...... ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ [سورة الفتح: ٢٩]

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔''

(٢)...... ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ [سورة آل عمران: ١٤٤]

''(حضرت) محمدؐ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔''

(٣)...... ﴿ وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ﴾ [سورة النساء: ٨٩]

''اور ہم نے آپ (محمدؐ) کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

٣۔ آپ ﷺ کے خاتم النبیین (یعنی آخری نبی) ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ﴾ [الاحزاب: ٤٠]

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں''۔

نبی کریم ﷺ کے نبیٔ برحق ہونے اور خاتم النبینؐ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جو دین اللہ کی طرف سے لائے ہیں، خواہ وہ قرآن ہو یا سنت، اسے برحق مانا جائے اور قیامت تک کے لیے اسے خدائی قانون کے درجہ میں رکھ کر اس پر عمل ضروری سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص نبی کریم کے لائے ہوئے دین میں سے کسی قطعی و ثابت شدہ چیز کے انکار یا شک کا عقیدہ رکھتا ہے تو یہ کفر ہے۔

٤۔ اسی طرح آپ ﷺ سے دل و جان سے محبت کرنا بھی ایمان کا تقاضا ہے بلکہ یہ محبت ایسی ہونی چاہیے جو دنیا جہان کی ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہو جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ [سورة الاحزاب:٦]

''بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جب کہ آپ

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک نہیں جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! آپ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر اب بات بنی ہے!''۔[1]

......☆......

صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ح ٦٦٣٢۔

۳۔اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی

اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔جن کتابوں کے بارے میں قرآن وسنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے منزل شدہ ہیں، انہیں سرے سے منزل شدہ تسلیم نہ کرنا۔

۲۔یا ان میں سے جن میں تحریف کا ثبوت خود قرآن نے دیا ہے، انہیں تحریف سے پاک سمجھنا۔

۳۔یا قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا۔

۴۔یا قرآن مجید کی ایک آیت یا بعض آیات کا انکار کرنا، یا قرآن مجید کو ناقص اور محرف شدہ کتاب سمجھنا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر پر ایمان نہ رکھنا۔

۵۔یا قرآن کی کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنا۔

اب ان چیزوں کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

۱۔اللہ کی نازل کردہ کتابوں کے بارے میں یہ ماننا کہ وہ فی الواقع اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ایمان کہلاتا ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا﴾

’’اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا‘‘۔[سورۃ النساء:۱۳۶]

۲۔اسی طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کی تھیں جیسے تورات وانجیل وغیرہ، ان میں لوگوں نے وقت کے ساتھ ساتھ تحریف کر لی

ہے اور اس طرح یہ اپنی اس اصلی شکل پر پوری طرح محفوظ نہیں رہیں جس پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ ۔

۳۔قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا کفر ہے، اس لیے کہ تمام کتب سماویہ میں حق کا معیار اب صرف اور صرف قرآن مجید ہے، گزشتہ کتابیں نہیں ۔ کیونکہ جس طرح حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی اللہ کی آخری کتاب ہے ۔اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی اور رسول آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی کتاب نازل کی جائے گی ۔ اب اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین اور قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی باعثِ نجات ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوٹوک انداز میں یہ بات بیان کی گئی کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، اب وہی حق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ﴾ [سورة محمد: ۲]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے (اب) سچا دین بھی وہی ہے۔'' (جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نبیوں پر جو دین نازل ہوتا وہی حق قرار پاتا مگر جب اللہ نے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمادیا تو پہلے نبیوں پر نازل ہونے والے دین وشریعت کی ضرورت کو ختم کردیا بلکہ ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ سابقہ اَدیان اپنی اصل شکل وصورت میں باقی ہی نہ رہے اور اس میں اللہ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ اب اس دین وشریعت کی پیروی کی جائے جو آخری پیغمبرؐ پر آخری دین کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ بھی قابلِ غور ہے:

((عن جابر عن النبی ﷺ حِیْنَ اَتَاہُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَھُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَّکْتُبَ بَعْضَھَا فَقَالَ: اَمُتَھَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَھَوَّکَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی جِئْتُکُمْ بِھَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے (ان کے دین کی) باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم (اپنے دین کے

ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرما دیا تو آپؐ کے آ جانے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم فرما دیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تا قیامت اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے، کسی اور دین و شریعت کی کوئی حاجت ہے نہ ضرورت۔ حضرت عمر کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ رویہ تورات کے کسی اور ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لاپروا کر سکتا تھا، اس لیے آپؐ نے اس معاملہ میں سختی کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ ''کیا تم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔'' یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو......!

پھر آپؐ کی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل و مکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے آپؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: ''جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔''

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا''۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر قسم کے رد و بدل سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ [سورة الحجر: ۹]

''ہم نے اس ذکر (قرآن/وحی) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی کریں گے''۔

اس آیت میں ذکر سے مراد بعض اہل علم کے بقول قرآن مجید ہے اور بعض کے بقول وحی ہے۔ وحی ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ حدیث بھی اس میں شامل سمجھی جائے گی۔ گویا دونوں صورتوں میں قرآن کی

۱۔ احمد، ج۳ ص۸۳۔ سنن بیھقی، باب فی الایمان بالقرآن وسائر الکتب المنزلة، ج۱ ص۱۹۹، ح۱۷۶۔

حفاظت کا انتظام اللہ کے طرف منسوب ہے۔قرآن مجید کی حفاظت تو ظاہر ہے بندوں کے ذریعے ہوئی ہے مگر اس حفاظت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا اور بندوں کے لیے اسے محفوظ رکھنے کو ممکن العمل بنانا، یہ سب اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوا۔اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

جب قرآن مجید اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوتا تو آپؐ اس خدشہ سے اسے فوراً دہرانے لگتے کہ کہیں یہ بھول نہ جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور آپ کا یہ خدشہ دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾[سورة القيمة :١٦تا١٨]

''(اے نبیؐ!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپؐ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ نبیؐ کے سینہ میں قرآن محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے بارے میں بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ اپنی اسی اصلی شکل میں محفوظ ہے جس میں نازل ہوا تھا اور اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی نہیں ہوئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾[سورة فصلت:٤٢]

''یہ بڑی باوقعت کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔یہ حکمتوں والے، خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے''۔

۵۔ جہاں تک قرآن کے کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنے کو کفر قرار دینے کی بات ہے، تو اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴾ [سورة محمد: ٨، ٩]

''اور جو لوگ کافر ہوئے، وہ ہلاک ہوں، ان کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع کر دے گا اس لیے کہ وہ اللہ کی

نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے''۔

یعنی کافروں کے اگر کوئی اچھے عمل ہوئے بھی تو اللہ انہیں ضائع کر دے گا، اس لیے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ قرآن اور دین کے لیے دل میں بغض اور نفرت رکھتے تھے۔

قاضی عیاضؒ بیان فرماتے ہیں:

''جان لو کہ جس نے قرآن یا قرآنی مصحف کے ساتھ استخفاف (بے حرمتی کا ارتکاب) کیا، یا قرآن کو گالی دی یا اس کا انکار کیا، خواہ ایک حرف اور ایک آیت ہی کا انکار ہو، یا قرآن کی (بیان کردہ) کسی چیز کو غلط کہا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر کی تکذیب کی یا اس چیز کو ثابت مانا جس کی قرآن نفی کرتا ہے یا اس چیز کی نفی کی جس کا قرآن اثبات کرتا ہے، یا اس سلسلہ میں کسی چیز کے بارے میں شک کیا تو وہ اہل علم کے ہاں اجماعی طور پر کافر ہے''۔[1]

......☆......

[1] الشفاء للعیاضؒ، ج۲، ص ۱۱۰۱۔

۴۔اسلام کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی

قرآن وسنت کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو دل سے تسلیم نہ کرے جسے قرآن وسنت میں بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً ملائکہ (فرشتوں)، یا جنات وشیاطین کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ یا آخرت اور جنت وجہنم وغیرہ سے متعلقہ امور میں سے کسی بدیہی (یقینی اور واضح طور پر ثابت شدہ) چیز کو تسلیم نہ کرے۔ یا تقدیر کے اسلامی عقیدہ کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے۔ان چیزوں کا انکار اس لیے کفر ہے کہ یہ قرآن وسنت کے قطعی دلائل (نصوص) کو تسلیم کرنے سے انکار کے مساوی ہے!

ان چیزوں کی تفصیلات کے لیے ہمارے تحریری سلسلہ'اصلاحِ عقائد' کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

انسان اور فرشتے [سلسلہ نمبر ۴]

انسان اور شیطان [سلسلہ نمبر ۵]

انسان اور جادو جنات [سلسلہ نمبر ۶]

انسان اور آخرت [سلسلہ نمبر ۷]

......☆......

۵۔احکامِ شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی

ا۔حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا

احکامِ شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان شریعت کے واجبات اور فرائض کو واجبات و فرائض تسلیم نہ کرے مثلاً ارکان اسلام جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کو یا ان میں سے کسی بھی ایک چیز کو ضروری نہ سمجھے۔ اسی طرح اسلامی شریعت میں جس چیز کو واضح طور پر حلال کہا گیا ہے، اسے وہ حلال نہ مانے اور جسے قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، اسے حرام ماننے سے انکار کرے، مثلاً ہندوؤں کی طرح حلال جانوروں کے گوشت کو حرام سمجھے، یا زنا، جوا، سود، شراب وغیرہ جیسی محرمات کو جائز اور حلال سمجھے۔ یہ سب چیزیں ایسے ہی ہیں جیسے کوئی شخص دین و شریعت کے احکام کو خدائی قانون ماننے کے لیے تیار نہیں اور ہر ایسے شخص کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [سورة المائدة: ٤٤]

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں''۔

امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''جو شخص دین اسلام کی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو بالکل واضح (ضروری) طور پر ثابت ہو تو ایسے شخص کے مرتد و کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا، البتہ اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا (مسلمانوں کے علاقے سے) بہت دور کسی دیہات وغیرہ میں اس نے پرورش پائی ہو یا ایسی ہی کسی صورت سے دوچار ہو کہ اس کے لیے دین کی یہ ضروریات واضح نہ ہو سکی ہوں تو پھر کفر وارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ اسے دین کی وہ بات بتائی جائے گی اور اگر اس کے باوجود وہ اس سے انکار پر اصرار کرے تو پھر اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا''۔ (۱)

شرح مسلم، للنووی، ج۱ ص۱۲۸۔

امام ابن حزمؒ بیان فرماتے ہیں:

''جو شخص اللہ کے کسی حرام کردہ کام کو حلال قرار دے جب کہ اسے علم بھی ہو کہ اسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے تو ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے''۔ (۱)

۲۔ دین وشریعت پر عمل اور نبی کریمؐ کی اطاعت کی ضرورت نہ سمجھنا

اگر کوئی شخص اپنے یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے دین وشریعت پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا نبی کریم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری والی زندگی گزارنا اس کے لیے مستثنیٰ ہے تو یہ عقیدہ واضح طور پر کفر ہے۔ اس لیے کہ یہ دین کے واضح اور صریح احکام کا انکار کرنے والی بات ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے اس دین پر عمل کر کے دکھایا جس کی آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور آپ ﷺ کے صحابہ نے بھی دین وشریعت پر اپنی استطاعت کے مطابق ہمیشہ عمل کیا۔ کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اب اسے دین وشریعت پر عمل کی ضرورت وحاجت نہیں ہے مگر بعض لوگ اولیاء کے بارے میں یہ کفریہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں دین وشریعت پر عمل کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ابن جوزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''صوفیا میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک ریاضت بدنی میں گزارا پھر انہوں نے خیال کیا کہ ان کے لیے حق تعالیٰ ظاہر ہو گیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب ہمیں اوامر ونواہی (یعنی شریعت) کی تابعداری کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ تو عوام کے لیے رسماً مقرر کی گئی چیز ہے اور اگر عوام کے لیے بھی وہ کچھ ظاہر ہو جائے جو ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تو پھر ان سے بھی شریعت کی پابندی اٹھ جائے گی''۔ (۲)

علامہ ابن حزمؒ بیان فرماتے ہیں:

''صوفیا میں سے ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے اولیاء تمام نبیوں سے بھی افضل ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو شخص ولایت کی انتہا کو پہنچ جائے اس سے نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ جیسے شرعی احکام کی پابندی اٹھ

۱۔ الفصل فی الملل و النحل، لابن حزمؒ، ج۳، ص۱۱٤۔

۲۔ تلبیس ابلیس، لابن الجوزیؒ، ص٤٩٦۔

جاتی ہے اور اس کے لیے زنا، شراب وغیرہ ہر طرح کی محرمات حلال ہو جاتی ہیں حتی کہ اس طرح انہوں نے دوسروں کی بیویاں بھی اپنے لیے حلال قرار دے لیں اور انہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا کہ ہم اللہ کو دیکھتے ہیں اور اللہ سے کلام کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارے دل میں خیال آتا ہے وہ سب حق ہے''۔ **معاذ اللہ من ذلک !!**[(۱)]

قاضی عیاض بیان فرماتے ہیں کہ صوفیا وغیرہ میں سے جو لوگ شریعت کی پابندی سے آزادی اور ہر حرام کے حلال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ایسے لوگ بالا جماع کافر ہیں۔[(۲)]

امام ابن قدامہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کسی کے لیے اللہ تک پہنچنے کا ایسا راستہ بھی ہے جو نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے علاوہ ہے، یا یہ کہ کسی کے لیے آپ ﷺ کی اتباع ضروری نہیں ہے یا یہ کہ کوئی کہے میں ظاہری علم میں تو آپ ﷺ کا محتاج ہوں مگر باطنی علم میں آپ ﷺ کا محتاج نہیں ہوں، یا یہ کہے کہ حقیقت (یعنی طریقت وغیرہ) کا علم شریعت کے علم سے افضل ہے، یا یہ کہے کہ اہل علم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت سے خروج (خلاف ورزی) جائز ہے جس طرح حضرت خضر کے لیے حضرت موسیٰ کی شریعت سے خروج جائز تھا، تو ایسی تمام صورتوں میں اسے کافر قرار دیا جائے گا''۔[(۳)]

دین و شریعت سے آزادی کا عقیدہ رکھنے والوں کے کفر کی بات امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی تحریروں میں جا بجا کی ہے۔[(٤)]

شریعت سے خروج کا عقیدہ رکھنے والوں پر ملا علی قاری نے بھی کفر و ضلالت کا فتویٰ لگایا ہے۔[(٥)]

۱۔ الفصل فی الملل و النحل، ج٤، ص٢٢٦۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اتحاف السادۃ، للزبیدی، ج٨، ص٢٧٨۔ مجموع الفتاویٰ، ج١١، ص٤٠٥ تا ٤٢٢۔

۲۔ الشفاء، للعیاض، ج٢، ص١٠٧٤۔

۳۔ الاقناع مع شرح کشاف القناع، ج٦، ص١٧١۔

٤۔ دیکھیے: مجموعۃ الرسائل والمسائل، ص٤٤، ٤٥۔ نیز دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، ج٣، ص٤٢٢۔ ج١١، ص٤٠٢، ٥٣٩۔

٥۔ دیکھیے: شرح الفقہ الاکبر، لعلی القاری، ص١٨٣۔

۶۔ نفاق...... کفر اعتقادی کی بدترین صورت

جب انسان کا قول یا فعل اس کے عقیدہ (فکر، نظریہ، قلبی اعتقاد) کے خلاف ہو تو اس کی اس حالت کو نفاق کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقیدے اور قول و فعل کے تضاد کا نام نفاق ہے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ اعتقادی نفاق کو نفاقِ اکبر اور نفاقِ تکذیب بھی کہا جاتا ہے اور عملی نفاق کو نفاقِ اصغر (اور نفاقِ عمل بھی) کہا جاتا ہے۔ نفاق کی اس تقسیم کے سلسلہ میں امام ترمذی ایک حدیث جس میں جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور گالی گلوچ کو نفاق قرار دیا گیا ہے، کے ضمن میں نفاق کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

''اہل علم کے نزدیک اس حدیث میں نفاق سے مراد نفاق العمل ہے جبکہ نفاق التکذیب (نفاقِ اکبر) تو نبی کریم ﷺ ہی کے دور میں پایا جاتا تھا۔ حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک نفاق عمل اور دوسری نفاق التکذیب''۔

اسی طرح امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

''نفاق کی ایک قسم وہ ہے جسے نفاق اکبر کہا جاتا ہے، اس کا مرتکب ہمیشہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں رہے گا۔ یہ وہی نفاق ہے جس کا ارتکاب عبداللہ بن ابی وغیرہ نے کیا تھا، اس نفاق میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی جاتی ہے یا آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی بات کا انکار کیا جاتا ہے، یا آپ ﷺ سے بغض رکھا جاتا ہے یا آپ کی اتباع نہ کرنے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے یا آپ ﷺ کے دین کو خطرہ ہو تو خوشی منائی جاتی ہے اور غلبہ ہو تو افسوس کیا جاتا ہے، یا اسی طرح کی کوئی اور حرکت کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے ایسا طرزِ عمل صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو۔ اور اس کی مثال اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں بھی پائی گئی ہے اور آپ ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ اس قسم کا نفاق موجود رہا ہے بلکہ آپ ﷺ کے بعد تو یہ نفاق اور زیادہ بڑھ گیا ہے...... اور جس قسم کو نفاقِ اصغر کہا جاتا ہے، وہ عمل وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے''۔ (۱)

مجموع الفتاوی، ج۲۸، ص ٤٣٤، ٤٣٥۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''نفاق اس طرزِ عمل کا نام ہے جس میں خیر کو ظاہر کیا جاتا اور شر کو چھپایا جاتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم اعتقادی ہے اور یہ وہ قسم ہے جس کا مرتکب ہمیشہ آگ میں رہے گا اور ایک قسم عملی نفاق ہے جس کا تعلق کبیرہ گناہوں کے ساتھ ہے''۔ (۱)

حافظ ابن حجرؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''لغوی طور پر نفاق کہتے ہیں ظاہر اور باطن کے تضاد کو۔ اگر یہ تضاد عقیدہ وایمان کے لحاظ سے پایا جائے تو یہ نفاق کفر (نفاق اکبر) ہوتا ہے ورنہ نفاقِ عمل ہوتا ہے اور نفاق عمل کا تعلق کسی کام کے کرنے سے بھی ہوسکتا ہے اور کسی کام کے چھوڑنے سے بھی۔ اور اس نفاق کے کئی درجیں ہیں''۔ (۲)

بعض اہل علم نے منافقین کے لیے زندیق (جمع: زنادقہ/زنادیق) کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ (۳)

عملی نفاق: یعنی نفاقِ اصغر

عملی نفاق سے مراد وہ نفاق ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اس نفاق میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب اور فرائض وواجبات میں سستی اور ریا کاری وغیرہ شامل ہے۔ یہ چیزیں بھی ایمانِ کامل کے منافی ہیں، اور ایمان کے منافی ہونے کی وجہ ہی سے ان چیزوں کے ارتکاب کو عملی نفاق قرار دیا گیا ہے، مگر ضروری نہیں کہ ان کا مرتکب دل سے کافر بھی ہو، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں:

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۱ ص۴۷۔

۲۔ فتح الباری، ج۱، ص۸۹۔

۳۔ دیکھیے: الایمان الاوسط، لابن تیمیہؒ، ص۱۳۔ طریق الهجرتین، لابن القیمؒ، ص۳۷٤۔

٤۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامة النفاق، ح۳۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق۔

''جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اسے امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (اور وہ چار چیزیں یا خصلتیں یہ ہیں): (۱) جب امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (۲) بات کرتے ہوئے جھوٹ بولے۔ (۳) وعدہ کر کے اسے پورا نہ کرے۔ (۴) جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ کرے''۔[1]

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

''اس حدیث کا معنی ومفہوم متعین کرنے کے حوالے سے اہل علم نے اس حدیث کو مشکل حدیث قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ خصلتیں تو ایک ایسے سچے مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں جس کے ایمان میں کسی کو شک نہیں ہوتا۔ اور اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص دل اور زبان سے ایمان لایا ہو اور پھر ان خصلتوں کا اس سے ارتکاب ہو تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی وہ ایسا منافق شمار کیا جائے گا جو ہمیشہ جہنم میں رہنے والا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں میں بھی یہ خصلتیں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح سلف میں عوام اور علماء میں سے بعض لوگوں میں جزوی یا کلی طور پر یہ خصلتیں نظر آتی ہیں۔ اس حدیث کی صحت میں تو الحمدللہ کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، البتہ اس کا معنی ومفہوم متعین کرنے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ محققین اور اکثر وبیشتر اہل علم کی رائے اور جو صحیح رائے بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ خصلتیں نفاق کی خصلتیں ہیں اور جس شخص میں یہ خصلتیں پائی جائیں، وہ ان خصلتوں (اوصاف) اور اخلاق میں منافقوں کے مشابہ ہے اور نفاق اس چیز کا اظہار ہوتا ہے جو دل میں ہوتی ہے، لہٰذا ان خصلتوں سے متصف شخص میں نفاق موجود ہے مگر یہ نفاق اس شخص کے مقابلے میں ہے جس سے بات کرتے ہوئے یہ جھوٹ بولتا ہے، یا جس کے ساتھ یہ وعدہ خلافی کرتا ہے یا جس

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب علامة النفاق، ح ۳٤۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق۔

کے ساتھ یہ خیانت اور جھگڑا کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس شخص کو اسلام کا منافق کہا جائے کہ یہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہے اور بظاہر مسلمان بنا ہوا ہے اور نہ ہی اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ مراد لی ہے کہ ایسا شخص جس میں یہ خصلتیں پائی جائیں، وہ کافر اور ہمیشہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں سزا پانے والا ہے۔ البتہ آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ وہ پکا منافق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان خصلتوں کی وجہ سے ایسے شخص اور ایک منافق میں بڑی گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس شخص میں یہ خصلتیں غالب ہوں وہی اس حدیث کا مصداق ہے جب کہ جس کی زندگی میں شاذ و نادر ایسی کوئی خصلت پائی جائے وہ اس مذمت میں شامل نہیں ہے''۔[1]

حافظ ابن حجرؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''کہا گیا ہے کہ یہ حدیث اس شخص پر محمول کی جائے گی جس میں یہ خصلتیں غالب آ جائیں اور وہ ان چیزوں کے ارتکاب کو نہایت معمولی بات سمجھتا اور ان کا عام مرتکب بنتا ہو۔ اور اصل وجہ یہ ہے کہ جو شخص منافق اور فاسد العقیدہ ہوتا ہے، اس میں عام طور پر اسی طرح کی خصلتیں پائی جاتی ہیں''۔[2]

اسی طرح بعض اہل علم نے اس سے ملتا جلتا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے:

''ان خصلتوں کے مرتکب ایک مسلمان کو منافق اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے ان خصلتوں سے ڈرانا مقصود تھا، تاکہ وہ ان خصلتوں کو اپنی عادت بنا کر کہیں نفاق اکبر تک نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا جس شخص میں یہ خصلتیں نظر آئیں یا ان میں سے کسی ایک خصلت کا وہ مرتکب ہو مگر وہ ان کا عادی نہ ہو تو اسے منافق نہیں کہا جائے گا''۔[3]

۱۔ شرح مسلم، للنوویؒ، ج۲ ص٤٦، ٤٧۔

۲۔ فتح الباری، ج۱، ص۹۰۔

۳۔ دیکھیے: شرح السنة، ج۱، ص٧٦۔ جامع العلوم والحکم، لابن رجبؒ، ص٤٠٧۔ یاد رہے کہ وہ تمام احادیث اسی اوپر بیان کیے گئے سیاق (مفہوم) میں سمجھی جائیں گی جن میں عملی نفاق کا ذکر ملتا ہے مثلاً وہ حدیث جس میں ہے: ''جس نے جہاد نہ کیا اور نہ جہاد کا شوق اور ارادہ کبھی دل میں پیدا ہوا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرے گا"۔ مسلم، کتاب الامارة، باب ذم من مات ولم یغزو، ح ۱۹۱۰۔

اعتقادی نفاق رنفاق اکبر

شرعی اصطلاح میں نفاقِ اکبر یا اعتقادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایمان نہ ہو بلکہ کفر ہو مگر ظاہری اعمال واقوال سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں مدینہ کے منافقین اسلامی حکومت کے خوف یا بعض اور مادی مفادات کے پیش نظر اپنا کفر چھپا کر رکھتے اور مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے بارے میں صاف اعلان کیا کہ یہ مومن نہیں بلکہ منافق ہیں، اور ابدی جہنمی ہیں بلکہ جہنم میں سب سے نچلے گڑھے میں یہ سزا پائیں گے۔

منافقین کی مسلم معاشروں میں وجود اور ان کی صفات وعادات کے بارے میں آئندہ سطور میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴾ [سورة البقرة: ۸ تا ۱۰]

''لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے (بلکہ) وہ تو اللہ اور ایمان والوں کو (اپنے خیال سے) دھوکا دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں مگر انہیں اس کا علم نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو مزید بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔

(۲)...... ﴿ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا إِلٰى هٰـؤُلَاءِ وَلَا إِلٰى هٰـؤُلَاءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾[سورة النساء: ١٣٨ تا ١٤٣]

''منافقوں کو یہ خبر دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے، وہ لوگ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یہ یاد رکھیں کہ) عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟ پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔ بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کرتے ہیں اور اللہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یادِ الٰہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ اور وہ درمیان ہی میں معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا''۔

(۳)...... ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾[سورة النساء: ١٤٥، ١٤٦]

''منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جائیں گے، ناممکن ہے کہ آپ ان کا کوئی مددگار

پائیں۔ ہاں جو (ان میں سے) توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا''

(٤)...... ﴿ إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ وَإِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾[سورۃ المنافقون: ١ تا٧]

''تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پس اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں۔ بے شک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں۔ اس سبب سے کہ یہ ایمان لا کر کافر ہو گئے ہیں پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اب یہ نہیں سمجھتے۔ جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں، یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر (اپنا) کان لگائیں، گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئیں، ہر (سخت) آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی حقیقی دشمن ہیں، ان سے بچو اللہ انہیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ استغفار کریں تو اپنے سر موڑ لیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

مذکورہ بالا آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نفاق کی یہ شکل کفر اکبر ہی کی طرح ہے۔ اس کی موجودگی میں ایمان باقی نہیں رہتا، تاہم قانونی طور پر ایسے لوگوں پر مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ وہ کفر کا

برملا اظہار یا اعتراف نہ کرلیں، اس لیے کہ نفاق کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل کے حالات ظاہر ہے اللہ ہی جانتے ہیں۔

نفاق کے بعض مظاہر

نفاق کا تعلق اگرچہ باطن کے ساتھ ہے، تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ظہور سے کسی کے نفاق کا شبہ ہوتا ہے، اسی لیے ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر بھی کہا جاتا ہے، مثلاً جیسے:

۱۔ دین اسلام پر طنز و تشنیع کرنا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ یا آپ کی حدیث وسنت کے ساتھ طنزیہ انداز اختیار کرنا مگر مبہم طریقے سے۔

۳۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا اور مسلمانوں کی بجائے کافروں سے دوستی رکھنا۔

۴۔ کافروں اور غیر مسلموں کے کفر میں بلا وجہ شک وشبہ کرنا۔

ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین ہی ایسی چیزوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔

......☆......

۷۔اسلامی عقائد میں شک وشبہ

دین کی کسی بھی ثابت شدہ اور قطعی ویقینی بات میں شک کرنا بھی کفر ہے،خواہ اس بات کا تعلق عقائد (ارکانِ ایمان) سے ہو یا ارکان اسلام سے یا دیگر شرعی احکام سے۔شک سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ ایمان کہتے ہی اس حالت کو ہیں جس میں اتنا یقین پایا جائے کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾[سورة الحجرات: ١٥]

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعویٰ ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں''۔

اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد بھی کسی کا شک باقی رہے یا بعد میں پیدا ہو جائے تو اس سے ایمان ٹوٹ جاتا ہے۔قرآن مجید میں اس حالت کو منافقین کی صفت بتایا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴾[سورة التوبة: ٤٥]

''آپ سے (جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے کی) اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنے شک میں سرگرداں (پریشان) ہیں''۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ پڑھنے کا کہا گیا ہے، ان میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دل کے پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھا جائے، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ

الْجَنَّةَ))[1]

''جس شخص نے بغیر کسی شک کے کلمہ شہادت کا اقرار کیا، وہ جنت میں جائے گا''۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے، کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

((اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ))[2]

''میرے یہ جوتے لے جاؤ اور باغ سے باہر تمہیں جو بھی ایسا شخص ملے جو اس بات کی دل کی گہرائی اور یقین سے شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اسے جنت کی بشارت سنا دو''۔

قاضی عیاض بیان فرماتے ہیں کہ

''نبی کریم ﷺ نے ہم تک جو دین پہنچایا، اس کے بارے میں اگر کوئی شخص آپ ﷺ پر جھوٹ باندھے یا آپ ﷺ کے سچا نبی ہونے کے بارے میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے......تو ان تمام صورتوں میں وہ بالا جماع کافر قرار دیا جائے گا''۔[3]

......☆......

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا، ح۲۷۔ احمد، ابن حبان، ۶۵۳۰۔ ابو یعلیٰ، ح۱۱۹۹۔

۲۔ مسلم، ایضاً۔

۳۔ الشفاء، ج۲، ص۱۰۶۹۔

۸۔کافر کے کفر میں شک

بہت سے اہل علم نے کافر کے کفر میں شک کرنے کو بھی اعتقادی مکفرات میں شمار کیا ہے، مثلاً قاضی عیاضؒ اس سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں کہ

''جو شخص ملت اسلامیہ کی بجائے کسی اور ملت کی طرف مائل ہوا، یا ان کے ساتھ گھل مل گیا، یا اس نے (ان کے دین کے جھوٹا ہونے پر یقین کرنے کی بجائے) شک کیا، یا ان کے مذاہب کو صحیح قرار دیا، خواہ اس کے ساتھ وہ اسلام کا بھی اظہار کرتا اور اسلامی عقیدہ رکھتا ہو اور غیر اسلامی مذاہب کو باطل سمجھتا ہو، مگر وہ کافر ہے، اس لیے کہ اس نے جس چیز کا اظہار کیا ہے وہ اس کے عقیدہ کے بالکل منافی اور الٹ ہے''۔[۱]

نیز فرماتے ہیں:

''جان لو کہ جس نے قرآن یا قرآنی مصحف کے ساتھ استخفاف (بے حرمتی کا ارتکاب) کیا، یا قرآن کو گالی دی یا اس کا انکار کیا، خواہ ایک حرف اور ایک آیت ہی کا انکار ہو، یا قرآن کی (بیان کردہ) کسی چیز کو غلط کہا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر کی تکذیب کی یا اس چیز کو ثابت مانا جس کی قرآن نفی کرتا ہے یا اس چیز کی نفی کی جس کا قرآن اثبات کرتا ہے، یا اس سلسلہ میں کسی چیز کے بارے میں شک کیا تو وہ اہل علم کے ہاں اجماعی طور پر کافر ہے''۔[۲]

کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو......

کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے مرتکب کے ساتھ قانونی طور پر وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ البتہ ان پر کفر وارتداد کا حکم لگانے سے پہلے ان پر حجت

۱۔ الشفاء، ج۲، ص۱۰۷۱۔

۲۔ ایضاً، ص۱۱۰۱۔

قائم کی جائے گی، پھران سے توبہ کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور اگر یہ اپنے کفر پر مصر رہیں تو بالآخر انہیں قتل کی سزا دی جائے گی اور اس سزا کا اختیار ایک بااختیار اسلامی حکومت کو ہے، کوئی فرد یا جماعت اپنے طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی مجاز نہیں ہے۔

اور اگر کفر اعتقادی ثابت اور ظاہر نہ ہوتو پھر یہ نفاق کی طرح ہے اور اللہ کے ہاں ایسا شخص ضرور جہنم کا مستحق ہے، البتہ ایک اسلامی حکومت میں اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ منافق شخص اپنے عملی کردار سے کفر ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ اسلام ظاہر کرتا ہے۔ اور شریعت میں ظاہر کا اعتبار کرنے پر زور دیا گیا ہے، باطن کا نہیں۔ اسی لیے خود نبی کریم ﷺ نے اپنے دور میں منافقین کے بارے میں ذاتی طور پر جان لینے کے باوجود انہیں سزا نہیں دی۔

یہاں یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اصل چیز اعتقادی کفر ہی ہے۔ قولی اور عملی طور پر کفر کا اظہار بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب دل میں کفر موجود ہو۔ اگر دل میں کفر نہ ہوتو پھر قول وفعل سے کفر کا ظہور عام طور پر یا تو غلطی سے ہوتا ہے، یا تاویل سے یا جہالت سے یا ایسے ہی کسی اور عذر سے۔

[2]......قولی مکفرات رقولی نواقض

ا۔کفر تکذیب، کفر جحود اور کفر استکبار

کفر قولی سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی بھی کفریہ عقیدہ کے بارے میں صاف اعتراف کر لے کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں مثلاً کوئی صاف یہ اقرار کرتا ہو کہ میں کسی رب کو نہیں مانتا، یا کسی نبی اور رسول (نبوت و رسالت) کے عقیدہ کو نہیں مانتا، یا کسی شریعت اور دین کی ضرورت نہیں سمجھتا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ کفر قولی کا مرتکب قرار پاتا ہے، خواہ ایسا وہ تکبر کی وجہ سے کہے یا کسی اور وجہ سے اور اس کا کفر ایسا واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہ جاتا۔ اور ایک اسلامی حکومت میں اسلامی قانون کے تحت اول تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ پر آمادہ نہ ہو تو اس پر ارتداد کا حکم لگا کر اسے قتل کی سزا دی جائے گی۔

واضح رہے کہ قولی کفر کی عام طور پر چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم 'کفر عناد' یا 'کفر استکبار' کہتے ہیں۔

۲۔ اور اگر حق کا علم ہی نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو 'کفر تکذیب' اور 'کفر جہل' کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو 'کفر جحود' کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے 'کفر نفاق' کہا جاتا ہے۔

امام ابن بطہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

" فكل من ترك شيئا من الفرائض التي فرضها الله في كتابه او اكدها رسول الله ﷺ في سننه على سبيل الجحود والتكذيب بها فهو كافر بين الكفر لا يشك في ذلك عاقل

یؤمن باللہ والیوم الآخر"[1]

''جس شخص نے تکذیب اور جحود کے پیش نظر ان فرائض میں سے کسی فرض کا انکار کیا، جو فرائض اللہ کی طرف سے قرآن میں بیان کیے گئے ہیں یا جن کی فرضیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت سے تاکید (وتوضیح) کردی ہے تو ایسے شخص کا کفر اتنا واضح ہے کہ اس کے کفر میں اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا کوئی عقل مند شک نہیں کرسکتا''۔

قاضی عیاضؒ بیان فرماتے ہیں کہ

" وکذلك نقطع بتکفیر کل من کذب وانکر قاعدۃ من قواعد الشرع وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل الرسول ووقع الاجماع المتصل علیہ کمن انکر وجوب الصلوات الخمس او عدد رکعاتها و سجداتها"[2]

''ہم ہر اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو شریعت کے کسی ایسے ضابطے کا انکار کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے یقینی تواتر کے ساتھ ثابت ہو اور جس پر اجماع امت ہو چکا ہو مثلاً جیسے پانچ نمازوں کا انکار یا ان کی تعداد رکعات یا تعداد سجود کا انکار''۔

۲۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دینا

اگر کوئی شخص اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دیتا ہے تو وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ دل میں ایمان اور دین کی محبت ہو تو انسان یہ کام نہیں کرتا اور اگر کوئی اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو ظاہر ہے یا تو وہ غلطی سے ایسا کرتا ہے اور غلطی میں اس کی سبقتِ لسانی (نہ چاہتے ہوئے منہ سے غلط بات نکل جانا)، اور جہالت وغیرہ کا اثر بھی ہوسکتا ہے۔ یا پھر وہ اکراہاً (کسی کے مجبور کرنے یعنی Gun Point پر) ایسا کرتا ہے، یا پھر وہ قصداً ہوش وحواس کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور قصداً یہ کام انسان تب ہی کرسکتا ہے کہ جب اس کے دل میں دین کی محبت اور تعظیم سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب دین کی محبت اور ایمان دل میں موجود نہ ہوگا تو پھر ظاہر ہے کفر ہی اس کے دل میں ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس گناہ کو کفر کہنے کی اصل بنیاد انسان کا وہ

۱۔ الابانۃ، لابن بطۃ العکبری، ج۲ ص ۷۶۴۔

۲۔ الشفاء، ج۲ ص ۱۰۷۳۔

کفریہ عقیدہ ہے جو اسے اس کفریہ حرکت پر آمادہ کرتا ہے۔

قرآن مجید میں منافقین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو اذیت دینا منافقین کا شیوہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾[سورة التوبة: ٦١]

''ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں، یہ ان کے لیے رحمت ہے۔ رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کو اپنے قول یا فعل سے کسی بھی طرح اذیت دینے والوں کے بارے میں ایک عمومی قاعدے کے طور پر ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نہایت رسوا کن عذاب ہیں۔'' [سورۃ الاحزاب: ۵۷]

امام ابن تیمیہؒ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہؒ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، خواہ وہ اللہ کے نازل کردہ سارے دین کا اقرار کرتا ہو''۔[۱]

امام خطابیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والا کافر اور واجب القتل ہے''۔[۲]

امام ابن حزمؒ بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ الصارم المسلول، ص ۱۵۔

۲۔ ایضاً۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا اللہ کے کسی رسول کو یا اللہ کے کسی فرشتے کو یا اللہ کی کسی آیت کو یا اللہ کی کسی بات و گالی دے تو وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے اور اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے''۔[۱]

۳۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین سے طنز و تشنیع اور استہزا کرنا

کسی کلمہ گو شخص کا اللہ یا رسول یا قرآن یا دین سے طنز و تشنیع اور استہزا کرنا بھی کفر میں شمار ہوتا ہے۔ گالی دینا تو واضح طور پر خطرناک جرم ہے اور اس کے بعد انسان کے کفر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا جبکہ طنز و تشنیع اور استہزا میں بعض اوقات گالی بھی شامل ہوتی ہے اور بعض اوقات بری بات یا بری حرکت تو ہوتی ہے مگر وہ واضح طور پر گالی نہیں ہوتی۔ دل میں ایمان اور دین کی محبت ہو تو انسان یہ کام نہیں کرتا اور اگر کوئی اس طرح کی کوئی حرکت کرتا ہے تو ظاہر ہے یا تو وہ غلطی سے ایسا کرتا ہے اور غلطی میں اس کی سبقت لسانی (نہ چاہتے ہوئے منہ سے غلط بات نکل جانا)، جہالت وغیرہ کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اکراہاً (کسی کے مجبور کرنے یعنی Gun Point پر) ایسا کرتا ہے، یا پھر وہ قصداً ہوش و حواس کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور قصداً یہ کام انسان تب ہی کر سکتا ہے کہ جب اس کے دل میں دین کی محبت اور تعظیم سرے سے موجود ہی نہ ہو۔

گویا ان تمام صورتوں کو کفر کہنے کی بنیاد انسان کا اعتقاد ہے۔ اگر اعتقاد ٹھیک ہو تو پھر یہ امکان موجود ہے کہ اس نے غلطی یا جہالت سے ایسا کفریہ کام کیا ہو اور ایسی صورت میں ظاہر ہے جب اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا اس پر اس کی غلطی واضح کی جائے گی تو وہ اپنی غلطی تسلیم کر لے گا۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ایسی آیات موجود ہیں جن میں منافقین کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ دین سے مذاق، نبی سے طنز و استہزا اور ایذا دہی ان کا شیوہ تھا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ایسی بعض آیات نقل کی گئی ہیں۔

......☆......

۱۔ المحلیٰ، لابن حزم، ج ۱۱، ص ۴۱۳۔

۳۔ عملی مکفرات رعملی نواقض

عملی مکفرات سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی چیز کا اپنے فعل و عمل سے ارتکاب اور اظہار کرے مثلاً شرکیہ عقیدہ کفر ہے، اسی طرح عملی طور پر شرک کرنا بھی کفر کہلاتا ہے۔
اسی طرح قرآن وسنت، شریعت، نبی کریم ﷺ اور اسلامی شعائر کے ساتھ دل میں بغض اور نفرت رکھنا کفر ہے، اور اپنے عمل سے یعنی طنز و تشنیع وغیرہ کے ذریعے اس کا اظہار کرنا عملی کفر ہے۔ اسی طرح اپنے عمل سے اگر کوئی شخص دین کا مذاق اڑائے تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔
عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض اعمال اور افعال وہ ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کے چھوڑ دینے سے ایمان کا انکار اور کفر کا اثبات لازم آتا ہے مثلاً وہ عمل جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے، ان میں شرک، دین وشریعت اور قرآن وسنت کی توہین، نبی کریم ﷺ کو ایذا دہی اور طنز و تشنیع وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں۔
اور وہ عمل جن کے چھوڑنے سے کفر لازم آتا ہے، ان کی حد بندی میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک چیز جس پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین وشریعت پر عمل کرتا ہی نہیں تو یہ ایسا کفر ہے جس کی موجودگی میں کلمے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دین وشریعت سے اعراض کا مسئلہ

دین وشریعت سے مجموعی طور پر اعراض کر لینا کفر کہلاتا ہے۔ اعراض کا مطلب ہے کسی چیز سے منہ پھیر لینا، اس کی طرف توجہ نہ کرنا، اسے اہمیت نہ دینا، بلکہ اسے بالکل چھوڑ دینا۔ خواہ یہ اعراض دل سے ہو یا عمل سے یا دل اور عمل دونوں سے۔ اسی طرح خواہ یہ اعراض تکبر کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔
قرآن مجید میں دین سے اعراض کو کس نظر سے دیکھا گیا ہے، اس کے لیے درج ذیل چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُوْنَ﴾ [سورة السجدة: ٢٢]

''اوراس سے بڑا ظالم اورکون ہوسکتا ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ وعظ کیا جائے اور وہ پھر بھی ان سے منہ موڑ لے۔ بے شک ہم مجرموں (گنہگاروں) سے انتقام لیں گے''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

''یہاں اَعْرَضَ عَنْهَا کا مطلب ہے اسے قبول نہ کرے''۔[۱]

(۲)...... ﴿ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَاباً صَعَداً﴾ [سورة الجن:١٧]

''اور جو شخص اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے گا، اسے اللہ سخت عذاب سے دوچار کرے گا''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

''یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ابن زید فرماتے ہیں اور اگر اس آیت کے خطاب کا رخ کفار کی طرف مراد لیا جائے تو قرآن سے اعراض سے مراد ہوگا کہ جو اسے قبول نہ کرے اور اگر اس آیت کے مخاطب مسلمان مراد لیے جائیں تو پھر اس سے اعراض کا مطلب ہوگا عمل میں لاپروائی''۔[۲]

(۳)...... ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [سورة النور: ٤٧، ٤٨]

''لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی ہے پھر (اس اقرار کے بعد) ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں (کیونکہ) جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسولؐ ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے (اعراض کرنے) والا بن جاتا ہے''۔

۱۔ تفسیر قرطبی، ج ١٤، ص ١٠٨۔ اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح کی بات حافظ ابن کثیرؒ بھی بیان فرماتے ہیں کہ "ولم يصغ لها ولا القى اليها بالا"۔ تفسير ابن كثير، ج٣، ص ٩١۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ج ١٤، ص ١٠٨، نیز دیکھیے: ج ١٩، ص ١٩۔

کلی اعراض اور جزوی اعراض

کئی اہل علم نے 'اعراض' کو نواقضِ ایمان قرار دیا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس اعراض کی حدود کیا ہیں جن سے ایک شخص کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے اعراض کی دو قسمیں کی ہیں یعنی کلی اعراض اور جزوی اعراض۔

دین سے کلی اعراض کا مطلب یہ ہے کہ دین و شریعت سے کسی شخص کا اس طرح منہ موڑ لینا کہ جیسے اس کا اس دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کا اعراض ایمان کی ضد ہے اور ایسی صورت میں ایمان باقی نہیں رہتا۔ علماء اہل سنت مجموعی طور پر اس مسئلہ کے بارے میں یہی رائے ہے کہ دین سے کلی اعراض کفر ہے، البتہ اگر کوئی شخص کلی طور پر دین و شریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر بعض فرائض کو چھوڑتا ہے تو کیا وہ بھی کفر کا مرتکب ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کا شروع سے اختلاف رہا ہے۔

آئندہ سطور میں پہلے ہم کلی اعراض کے بارے میں اہل علم کی آراء بیان کرتے ہیں، اس کے بعد جزوی اعراض پر بات کریں گے۔

کلی طور پر دین سے اعراض کر لینا اور عمل چھوڑ دینا کفر ہے

اکثر و بیشتر اہل علم نے اعراض کی اس قسم کو کفر شمار کیا ہے جس میں زبان سے کلمہ پڑھنے کے بعد اسلام کے احکام پر سرے سے عمل کیا ہی نہیں جاتا۔ چند اہل علم کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے وہ لوگ جن کا زمانہ ہم نے پایا ہے، کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک باقی کے بغیر کفایت نہیں کرتا''۔ [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد دین پر عمل کرتا ہی نہیں تو اس کے کلمہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

۱۔ دیکھیے: کتاب الایمان، لابن تیمیہؒ، ص۱۹۷۔

۲۔امام حنبلؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محدث حمیدیؒ نے بیان کیا کہ
''مجھے بتایا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز، زکاۃ، روزے اور حج کو مانتا ہو مگر زندگی بھر ان میں سے کسی پر بھی عمل نہ کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے یا قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھتا رہے حتیٰ کہ فوت ہو جائے تو وہ پھر بھی مومن ہے جب تک کہ (ان میں سے کسی چیز کا) منہ سے انکار نہ کرے، کیونکہ انہیں ترک کرنے کے باوجود وہ مومن ہے اس لیے کہ وہ فرائض اور قبلہ رخ منہ کرنے کا اقرار کرتا ہے تو (حمیدیؒ فرماتے ہیں) میں نے کہا یہ تو صریح طور پر کفر ہے اور اس میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور علماء اسلام کی مخالفت ہے۔قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:
﴿ وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [سورة البينة: ٥]
''اور انہیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے دین کو خالص کر کے اس کی عبادت کریں''۔
حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا، انہوں نے فرمایا: جس نے اس طرح کی بات کی (جو اوپر نقل ہوئی ہے) تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ کا حکم اور جو کچھ نبی ﷺ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے، اس کو رد کیا''۔[۱]

امام ابن تیمیہؒ تارکِ شریعت کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:
''یہ بات ناممکن ہے کہ ایک آدمی دل میں پکا سچا ایمان رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ اللہ نے اس پر نماز، روزہ، زکاۃ اور حج فرض کیا ہے مگر اس کے باوجود عرصہ دراز گزر جائے اور وہ اللہ کے حضور ایک سجدہ بھی نہ کرے، کبھی رمضان میں روزہ ہی نہ رکھے، زکاۃ بھی ادا نہ کرے اور نہ ہی اللہ کے گھر کا حج کرے۔یہ صرف اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے جب دل میں ایمانِ صحیح کی بجائے نفاق وزندقہ پایا جائے''۔[۲]

امام ابن قیمؒ کفر اعراض کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''کفر اعراض یہ ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ سے اپنے کان اور دل کو پھیر لے، نہ آپ ﷺ کی تصدیق کرے اور نہ تکذیب، نہ آپ ﷺ سے دوستی رکھے اور نہ دشمنی۔اور جو دین آپ ﷺ لے کر

۱۔ ایضاً۔
۲۔ مجموع الفتاویٰ، ج۷، ص۶۱۱، ۶۲۱۔ نیز دیکھیے: ص۲۱۸۔

آئے ہیں اس کی بالکل پرواہی نہ کرے"۔[1]

جزوی اعراض

اگر کوئی شخص کلی طور پر دین وشریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر ارکان اربعہ (یعنی نماز، روزہ، زکاۃ، حج) کو چھوڑتا ہے اور ان کا زبان سے انکار نہیں کرتا، تو کیا وہ بھی کفر اکبر کا مرتکب قرار پائے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

"(اس مسئلہ میں کئی آراء ہیں) ایک رائے یہ ہے کہ اُرکانِ اربعہ میں سے اگر کوئی ایک پورا رکن ہی چھوڑ دے تو وہ کافر قرار دیا جائے گا، خواہ حج کا رکن چھوڑے، تاہم حج (کی استطاعت رکھنے کے بعد اس) میں تاخیر کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ لیکن جو شخص حج نہ کرنے کا عزم کر لے، وہ کفر کا مرتکب ہے۔ سلف میں سے ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور امام احمدؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک رائے یہی منقول ہے جسے ابوبکر نے اختیار کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان ارکان میں سے کسی رکن کا کوئی (واجب) حصہ واجب تسلیم کرنے کے باوجود چھوڑ دے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے اصحاب اور امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہی ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک رائے یہی منقول ہے جسے ابن بطہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا الا یہ کہ وہ نماز چھوڑ دے اور امام احمد سے تیسری یہ رائے بھی منقول ہے۔ اور سلف میں بہت سے لوگوں کی یہی رائے ہے اور امام مالک کے بعض اصحاب اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے بعض اصحاب کی بھی یہی رائے ہے۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ صرف نماز اور زکاۃ کے تارک کو کافر قرار دیا جائے گا۔

پانچویں رائے یہ ہے کہ نماز اور زکاۃ کے تارک کو کافر قرار دیا جائے گا مگر اس وقت جب حاکم وقت اس پر تارکین کے ساتھ لڑائی کرے اور روزے اور حج کے تارک پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا"۔[2]

۱۔ مدارج السالکین، ج۱، ص۳٦٦، ۳٦۷۔ مفتاح السعادۃ، ص۹٤۔

۲۔ دیکھیے: مجموع الفتاوی، ج۷، ص٦١٠، ٦١١، ٢٠٢، ٢٠٣۔ نیز دیکھیے: ج٢٠، ص٩٦، ٩٧۔

تارکِ نماز کا حکم

جو شخص منہ سے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کرتا مگر عملاً اتنی سستی کرتا ہے کہ اکثر و بیشتر نماز پڑھتا ہی نہیں ہے تو ایسا شخص کفر کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں یا دوسرے لفظوں میں کیا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں سلف سے خلف تک ہمیشہ اختلاف رہا ہے جیسا کہ پیچھے امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم کے مزید اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں:

''جو شخص نماز کی فرضیت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود سستی سے نماز نہیں پڑھتا، اس کے بارے میں ہمارا (شافعیوں کا) موقف یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا مگر یہ قتل کی سزا اسے کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے نہیں دی جائے گی بلکہ ترکِ نماز کی حد کے طور پر یہ سزا دی جائے گی۔ امام مالکؒ اور سلف و خلف میں سے اکثر اہل علم کی اس مسئلہ میں یہی رائے ہے۔ ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا اور اس پر مرتد کے احکام لاگو کیے جائیں گے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے اور امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں جن میں سے زیادہ صحیح روایت اسی نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے منصور فقیہ کی بھی یہی رائے ہے...... سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور کوفہ کے دیگر اہل علم اور امام مزنیؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اسے قتل کی سزا دی جائے گی، البتہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع نہیں کر دیتا''۔ (۱)

۲۔ امام ابن قدامہؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''تارک نماز کو سزا (حد) کے طور پر قتل کیا جائے گا یا اسے اس کا کفر سمجھتے ہوئے قتل کیا جائے گا، اس سلسلہ میں (امام احمدؒ سے) مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ نقل کی جاتی ہے کہ ایسے شخص کو مرتد قرار دے کر قتل کیا جائے گا اور پھر اسے نہ غسل دیا جائے گا، نہ کفن اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے

۱۔ المجموع شرح المهذب، ج۳، ص۱۷۔

قبرستان مین دفن کیا جائے گا اور نہ اسے مسلمانوں کا وارث تسلیم کیا جائے گا اور نہ مسلمان (اس کے رشتہ دار) اس کے وارث قرار پائیں گے۔ ابواسحاق بن شاقلا اور ابن حامد نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور یہی رائے حسن، شعبی، ایوب سختیانی، اوزاعی، ابن مبارک، حماد بن زید، اسحاق اور محمد بن حسن وغیرہ کی ہے...... دوسری روایت امام احمد سے یہ منقول ہے کہ ایسے شخص کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطور حد قتل کیا جائے گا، بالکل ایسے جس طرح شادی شدہ زانی کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ ابن بطہ نے یہی رائے پسندیدہ اور بہتر قرار دی ہے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں حنبلی مذہب (موقف) یہی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اکثر فقہاء بشمول ابوحنیفہ، مالک، اور شافعی کا یہی موقف ہے"۔ (۱)

۳۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

"جو لوگ تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں، ہم نے ان کی رائے اور جن دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں، انہیں بیان کر دیا ہے اور یہی مذہب وموقف جمہور محدثین کا ہے، البتہ محدثین میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس نے اس مسئلہ میں تارک نماز کو کافر قرار دینے سے انکار کیا ہے، ماسوائے اس صورت میں کہ جب تارک نماز تکبر اور انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑ دے"۔ (۲)

اَلْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰه

دین وشریعت سے اعراض ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کو قانونی سند دینے کی بجائے خودساختہ نظاموں کو قانون کا درجہ دے دیا جائے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے اَلْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰه کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اور اس کی بعض صورتوں کو کفر اور بعض کو ظلم اور فسق قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [سورة المائدة: ٤٤]

۱۔ المغنی، لابن قدامة، ج ۱، ص ٤٤٤، ٤٤٥۔

۲۔ تعظیم قدر الصلاة، للمروزی، ج ۲، ص ٩٣٦۔

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں''۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [سورة المائدة: ٤٥]

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں''۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ [سورة المائدة: ٤٧]

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں''۔

ان تینوں آیات میں کفر، ظلم اور فسق کو علیحدہ علیحدہ طور پر بیان کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین وشریعت کے مطابق فیصلہ اور حکم و قانون نافذ نہ کرنا بعض صورتوں میں کفر ہے اور بعض میں کفر نہیں ہے۔ جن صورتوں میں اسے کفر قرار دیا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کے حکم کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی دنیوی قانون اور نظام کو اس سے بہتر سمجھے اور اس کے پیچھے جو مرضی سوچ کارفرما ہو، خواہ یہ سوچ کارفرما ہو کہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں کوئی دنیوی قانون اس سے زیادہ بہتر اور انسانی مفادات کا زیادہ محافظ ہے، یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے اس دنیوی قانون میں زیادہ فوائد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یا اس کے نزدیک حکم اللہ (شریعت کا قانون) اور غیر حکم اللہ (خلاف شریعت قانون) دونوں مساوی ہوں یعنی دونوں کو وہ قانونی حیثیت دینے کے لیے تیار ہو، بعض قوانین و احکام شریعت سے لے لے اور بعض دیگر انسانی دساتیر سے۔ اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے میں مکس اور خلط ملط کر لے تو یہ بھی کفر اکبر ہی ہے۔ یا یہ کہ وہ غیر اللہ کے حکم کو بہتر تو نہ سمجھتا ہو مگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ بعض مسائل میں غیر اللہ کے حکم کو قانونی درجہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ قرآن وسنت کے صریح منافی ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ سب کفر اکبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس کے علاوہ باقی صورتوں کو کفر قرار نہیں دیا جائے گا جن میں خواہشاتِ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر، یا کسی مادی غرض کی خاطر، یا کسی کی دوستی یا دشمنی کے پیش نظر یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے شریعت کے خلاف فیصلہ، قانون یا حکم نافذ کیا جائے تو ایسی ہر صورت فسق اور ظلم وغیرہ کے زمرہ میں شمار ہوگی جسے کفر اصغر بھی کہا جا سکتا ہے مگر اس پر کفر اکبر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

......☆......

باب ۳

تکفیر اور عمومی ضابطے

۱۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط

۲۔ ظاہری حالت کا اعتبار اور حسن ظن

۳۔ تکفیر کے موانع اور عذر

۴۔ عمل کفر اور کافر میں فرق

۵۔ تکفیر سے پہلے اتمام حجت

۶۔ تکفیر معین اور تکفیر مطلق

۷۔ تکفیر ہر فرد کا کام نہیں

۸۔ تکفیر، توبہ اور قتل وقتال

......☆......

ا۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط

کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے جس میں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ ! فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا))[1]

''جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کی یہ بات ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتی ہے''۔

یہی بات بعض روایات میں اس طرح ہے:

((أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ))

''جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو یہ کفران دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ گا۔ یا تو وہ کافر ہی ہوگا جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے یا پھر کلمۂ کفر اس پر لوٹ آئے گا (جس نے دوسرے کو کافر کہا تھا)''۔[2]

اس حدیث کا ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کو کافر کہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ضرور ہے، یا تو وہ جسے کافر کہا جا رہا ہے یا پھر وہ جو کفر کا حکم لگا رہا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک شخص کافر نہیں تو اسے کافر کہنے والا اس بات سے خود کافر نہیں ہو جاتا بلکہ اس پر جو چیز لوٹ کر آتی ہے، وہ اس تہمت کا گناہ ہے جو اس نے دوسرے پر لگائی ہے۔ اور یہی مفہوم جمہور اہل علم نے بیان کیا ہے۔ اور اتنی بات تو بہر حال دونوں صورتوں میں واضح ہے کہ کسی کو کافر کہنا چھوٹی بات نہیں ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیه المسلم کافر۔ ایك روایت میں ھے کہ ((وَمَنْ رَمٰى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ)) ''کسی مسلمان کو کافر کہنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے''۔ بخاری، ح ۶۱۰۵۔

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیه المسلم یا کافر۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ کریں:

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ''۔ (۱)

تکفیر میں احتیاط ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی شخصِ معین کو کافر کہنے کی بجائے اس طرح کہا جائے کہ جس نے فلاں کام کیا وہ کافر ہے۔ اس کی تفصیل آگے 'تکفیر مطلق اور تکفیر معین' کے تحت آئے گی۔

۲۔ ظاہری حالت کا اعتبار اور حسنِ ظن

اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسنِ ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ معروف اصولی اور شہرہ آفاق کتاب اَلْمُوَافَقَات کے مؤلف امام شاطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

''احکامِ شریعت کے لحاظ سے بالخصوص اور عقائد کے لحاظ سے بالعموم یہ بات قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ ظاہری حالت کے مطابق حکم لگانا ہی اصل ہے۔ سید البشر ﷺ کو اگرچہ وحی کے ذریعے معلومات ہو جاتی تھیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ منافقین وغیرہ کے حوالے سے ظاہری احکام کی رعایت

۱۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی النھی عن البغی۔

کرتے تھے جبکہ آپ ان کے باطن کے بارے میں جان چکے تھے لیکن اس کے باوجود منافقین سے ظاہری احکام کی تنفیذ کی روش میں فرق نہیں کیا گیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ منافقین پر ان کے نفاق کے مطابق سلوک نہ کرنے کی وجہ اور علت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے اس خوف کا اظہار فرمایا تھا کہ 'لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے'۔ یہ علت نہیں تھی بلکہ اس کی علت کچھ اور ہے اور اگر وہ علت نہ ہوتی تو پھر منافقین کو قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہ ہوتا۔

ظاہری احکام کے حوالے سے (ہماری طرف سے) جو رائے اختیار کی گئی ہے، اس کی تائید میں (منافقین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کی) یہ دلیل سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر یہ (ظاہر پر اعتماد کرنے کی بجائے کسی باطنی امر پر اعتماد کر لینے کا) دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ظاہری معاملات کی حفاظت کا سارا نظام ہی فیل ہو جاتا۔ جس شخص کا قتل کسی ظاہری سبب کی بنیاد پر ہوتا ہے، اس کے قتل کی وجہ اور علت بھی بالکل ظاہر ہوتی ہے اور جسے کسی ظاہری سبب کی بجائے محض غیبی امر کی بنیاد پر قتل کر دیا جائے تو اس سے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے اور ظاہری طور پر معاملات میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت میں یہی بہتر سمجھا گیا کہ اس دروازے (یعنی ظاہر پر اعتبار کی بجائے باطن پر اعتماد کرنے کے دروازے) کو کلی طور پر بند کر دیا جائے''۔ [اور اس کی جگہ ظاہر پر اعتماد کرنے کے دروازے کو کھولا جائے][1]

مطلب یہ کہ اصل چیز ظاہر ہے اور اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔ جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں کفر ہے، تو ہم اس پر شک نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے کافر ہونے کا حکم لگائیں گے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جائے گا اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں، جس طرح کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین کے ساتھ ان کی ظاہری حالت کے مطابق مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جاتا تھا۔ حتی کہ ان کی وراثت، نکاح اور دیگر معاملات میں بھی کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ چونکہ منافق ہیں، اس لیے ان کے

۱۔ الموافقات، للشاطبی، ج۲، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

اَحکام مسلمانوں والے نہیں ہوں گے۔ عبداللہ بن ابی پکا منافق تھا، مگر بظاہر مسلمان تھا، اس لیے اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کیا گیا، حتیٰ کہ اس کا بیٹا (اس کا نام بھی عبداللہ تھا) جو پکا مسلمان تھا، وہ اپنے منافق باپ کی وراثت کا حقدار قرار دیا گیا اور اس نے باپ کی وراثت حاصل بھی کی۔

اہل علم نے ظاہری حالت کو معتبر قرار دینے کے لیے مذکورہ بالا دلیل کے علاوہ کئی اور دلائل سے بھی استدلال کیا ہے، ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ فَتَبَيَّنُواْ وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُواْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْراً ﴾ [سورة النساء: ٩٤]

''اے ایمان والو! جب تم زمین میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کہے اسے یہ مت کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ کیا تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو، پس اللہ کے پاس بہت غنائم ہیں۔ تم اس سے پہلے بھی اسی طرح کے تھے اور اللہ نے تم پر احسان کیا پس تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کی خبر رکھتا ہے، جو تم کرتے ہو''۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ ایک علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کے لشکر کو اس طرف آتا دیکھا تو انہیں سلام کہا (جو کہ مسلمانی کی ایک علامت اور شعار ہے) تو بعض صحابہ سمجھے کہ شاید اس نے ہم سے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس شک کی بنیاد پر اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے تو اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۱]

اس آیت میں اس فعل کی مذمت کی گئی ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی ان صحابہ کی مذمت کی جنہوں نے چرواہے کو شک کی بنیاد پر قتل کر دیا اور اس کی ظاہری حالت کا اعتبار نہیں کیا تھا۔

۱۔ بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النساء۔ ترمذی، ایضاً۔

۲۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی مہم کے لیے بھیجا۔ جب ہم نے وہاں شب خون مارا، تو میں نے ایک آدمی پر کنٹرول پا لیا، اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ، مگر میں نے اسے نیزے سے قتل کر دیا۔ پھر میرے دل میں اس کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا چنانچہ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: جب اس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا تھا تو پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟! میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے اسلحہ کے خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا))

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بار بار کہی حتی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا''۔[1] [تا کہ اس غلطی کا ارتکاب مجھ سے نہ ہوا ہوتا۔]

یہاں یہ قرینہ موجود تھا کہ اس شخص نے اسلحہ اور موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہوگا، تبھی تو صحابی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہوگا۔ اگر یہ شبہ نہ ہوتا تو صحابی اس شبہ کو پیش نہ کرتے، یہ الگ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ اور شک کو بنیاد نہیں بنایا اور نہ ہی صحابی کی اس بات کو قبول کیا بلکہ اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟!

لہٰذا اس حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوئی کہ عام حالات میں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا اعتبار کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ کلمہ کا اقرار کرتا ہو۔

۳۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میرا اور کسی مشرک کا میدان جہاد میں آمنا سامنا ہو جائے اور وہ میرا بازو کاٹ دے اور جب میں اس پر قابو پا لوں تو وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے تو کیا پھر میں

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ۔ بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ومن احیاھا فکانما ......۔

اسے قتل کروں یا چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ اسے چھوڑ دو"۔ [(۱)]

اس حدیث پر امام ابن مندہؒ نے اپنی کتاب 'الایمان' میں یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے:

"اس چیز کا بیان کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے، اس کے لیے اسلام کی نسبت واجب ہو جاتی ہے اور اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جاتی ہے"۔ [(۲)]

۴۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے کلمہ پڑھا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے [(۳)] [بعض روایات میں ہے کہ] اور اسے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور اس کے ذمہ وہ فرائض عائد ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں"۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ)) [(٤)]

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ لہٰذا جب لوگ ایسا کرلیں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کرلیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے، اور ان کا (اعتقادی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے"۔

١۔ بخاری، کتاب المغازی۔ کتاب الدیات، باب قوله تعالیٰ: ومن یقتل مومنا متعمدا......۔ فتح الباری، ج۷، ص ۳۲۱۔مسلم، کتاب القسامة، باب المجازاة بالدماء فی الآخرة، ح۱٦۷۸۔

۲۔ الایمان، لابن منده، ج۱، ص۱۹۸۔

۳۔ نسائی، الایمان، باب صفة المسلم۔ بخاری، صلاة، باب فضل استقبال القبلة۔ مسلم، الایمان، ح۲۲۔

٤۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة واتوا الزکوة فخلوا سبیلهم، ح۲۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا الله، ح ۳٦۔۲۲۔

امام بغویؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے معاملات آپس میں ظاہر کے مطابق چلیں گے نہ کہ باطن کے مطابق۔ جس شخص نے دین کے شعار میں سے کوئی چیز ظاہر کی اس پر مومن کا حکم لگے گا اور اس کے باطن کو کھولنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ اگر کہیں کئی ایک مقتول شخص ہوں اور دو لاشیں ایسی ہوں جو بے ختنہ لوگوں کی ہیں اور ان کے درمیان میں ایک لاش مختون (ختنہ شدہ) شخص کی ہو، تو اس شخص کو (ختنہ کی وجہ سے مسلمان سمجھتے ہوئے) کافروں سے نکال کر الگ دفن کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے کسی ملک میں کوئی بچہ گم شدہ ملے تو اس بچے کو مسلمانوں کا بچہ قرار دیا جائے گا''۔[1]

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کر دی جائے گی کہ اس سے کفر ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس کی ظاہری حالت اس کی تکفیر کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ خیال کیا جائے گا کہ اس سے غلطی سے یا جہالت سے یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہوگا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے، یقین نہیں جب کہ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے، شک نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح دی جاتی ہے اور یہ تو پھر بھی تکفیر کا مسئلہ ہے جو پہلے ہی بہت احتیاط کا متقاضی ہے، لہٰذا یہاں اس پہلو کو ترجیح دی جائے گی جو اسلام اور امت کے ساتھ جوڑتا ہو، نہ کہ اس پہلو کو جو اسلام اور امت سے کاٹنے والا ہو۔

۳۔ تکفیر کے موانع اور عذر

مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے اور تقریباً اتفاقِ رائے کے ساتھ اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں کسی شخص کے واضح ترین کفر کے ارتکاب کے باوجود اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی

۱۔ شرح السنة، ج ۱، ص ۷۰۔

۲۔خطا اور غلطی

۳۔تاویل

۴۔جبر واکراہ کی حالت۔

اگر کوئی شخص ان چار حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر چہ اس مسئلہ میں بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد وایمانیات (اصول) میں ان موانع کو بطور عذر قبول نہیں کیا جا سکتا، البتہ فروع (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے عقائد اور فقہ (یعنی اصول وفروع) دونوں میں ان موانع کو بطور عذر تسلیم کیا ہے اور ہماری رائے میں یہی موقف دلائل کے اعتبار سے وزنی ہے۔ علاوہ ازیں تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی دلائل مثلاً اختلاف وتفرقہ بازی میں اعتدال، دوسروں کے ایمان کے بارے میں حسن ظن وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں روزمرہ زندگی میں بھی ہم اس حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غلطی، لاعلمی، جہالت یا انتہائی مجبوری کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے اور اس کی اس طرح ملامت نہیں کی جاتی جس طرح ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو جانتے بوجھتے غلطی کرتا ہے۔

لہٰذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چاروں چیزوں کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا اور ان کی موجودگی میں صریح کفر کے مرتکب کو بھی اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔ آئندہ صفحات میں (باب ۴ کے تحت) ان چاروں موانع پر تفصیلی بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

۴۔عمل کفر اور کافر میں فرق

اگر کوئی شخص عمل کفر کا مرتکب ہو تو ضروری نہیں کہ اس عمل کی وجہ سے وہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے یا اس پر کافر کا فتویٰ لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ عمل جہالت کی وجہ سے کیا ہو اور اسے علم ہی نہ ہو کہ یہ کفر کی بات ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی تاویل کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے اس سے کفریہ عمل

سرزد ہوا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اکراہ اور جبر کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہو۔ اور ان چاروں صورتوں یعنی جہالت، تاویل، غلطی اور اکراہ میں کسی شخص پر کفریہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے بہت سے اہل علم اس بات کا فرق بیان کرتے ہیں کہ عمل کفر اور کافر میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کفریہ قول یا فعل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ سراسر غلط ہے۔

۵۔ تکفیر سے پہلے اتمامِ حجت

کسی شخص کی تکفیر سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اس کے کفر کے بارے میں بتایا جائے۔ اگر وہ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کفر کا مرتکب ہوا ہے تو ظاہر ہے وہ فوراً توبہ کر لے گا۔ اگر وہ تاویل کی بنیاد پر کفریہ کام کر رہا ہے تو اس کی اس تاویل کا جائزہ لے کر اس تاویل کی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس سلسلہ میں اس کے ذہن میں پائے جانے والے شبہات کا احسن طریقہ سے ازالہ کی کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ غلطی سے ایسا کر رہا ہے تو اس کی غلطی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر اکراہ کی صورت میں اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے تو پھر اس کی تکفیر سے پہلے اس چیز کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔

ہمارے ہاں ایک عجیب رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ کسی شخص کی غلط بات پر، خواہ وہ عقائد سے تعلق رکھتی ہو، یا عبادات سے یا معاملات سے، اس پر کفر کا فتویٰ لگانے میں دیر نہیں کی جاتی اور بجائے اس کے کہ اسے احسن طریقے سے تبلیغ کی جائے اور دینی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی جائے، الٹا اسے دین سے باغی بنانے اور متنفر کرنے کی صورت حال پیدا کر دی جاتی ہے۔

۶۔ تکفیر معین اور تکفیر مطلق

تکفیر معین کا مطلب ہے کسی خاص شخص کا نام لے کر یا اس کی طرف اشارہ کر کے یا اسے مخاطب کرتے ہوئے اس پر کفر کا حکم لگانا۔ جب کہ تکفیر مطلق کا ملطب ہے کسی کفریہ عمل کے بارے میں عمومی انداز میں یہ بات کہنا کہ جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

شریعت میں کئی ایک کاموں کو کفریہ کام قرار دیا گیا ہے اور وہ ایسے کفریہ کام ہیں کہ ان کے ارتکاب سے

ایک مسلمان بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایسے کاموں کے مرتکب کے حوالے سے مطلق اور عمومی انداز میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جس نے فلاں کام کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

تکفیر مطلق کے بارے میں تو کوئی خاص اختلاف پیدا نہیں ہوتا لیکن تکفیر معین ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص کفر کا ارتکاب کرنے کے باوجود ضروری نہیں کہ کافر بھی ہو چکا ہو اور اس پر کفر کا حکم بھی لگا دیا جائے۔ اس لیے کہ یہ امکان بہر حال موجود ہے کہ اس نے تاویل، یا جہالت یا غلطی یا اکراہ کی صورت میں اس کفر کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے تکفیر شخصی (معین) میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور جب تک نفس مسئلہ کا اور کفر کے مرتکب کی صورت حال کا پوری طرح علم نہ ہو جائے اور یہ واضح طور پر معلوم نہ کر لیا جائے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تو تب تک اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایسے عذر کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو ایسی صورت میں اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسی طرح تکفیر سے پہلے اتمام حجت کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ جس شخص کی تکفیر کی جا رہی ہے، اسے معلوم تو ہو کہ وہ کفر کا مرتکب ہے اور اس طرح ممکن ہے کہ اسے توبہ کا موقع مل سکے اور وہ اپنے کفر سے تائب ہو جائے۔

۷۔ تکفیر ہر فرد کا کام نہیں

تکفیر کے سلسلہ میں ایک غلط رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور جسے اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تکفیر کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے بہت زیادہ احتیاط کی تلقین کی ہے۔

دوسری بات یہ کہ تکفیر کے سلسلہ میں کئی ایک موانع پائے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں عمل کفر کے مرتکب کو کفر کے باوجود کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ لیکن ان موانع کا تعین کرنا، ان میں علمی اختلافات کی حدود کو نیک نیتی اور صحیح فہم کے ساتھ جاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ بہت سے پہلو ایسے پیچیدہ اور نازک بھی ہیں

کہ بڑے بڑے اہل علم بھی ہمیشہ وہاں احتیاط کرتے رہے ہیں اور ان کے بارے میں رائے زنی سے انہوں نے توقف کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگی اور افسوس کہ ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

۸۔ تکفیر، توبہ اور قتل وقتال

کسی شخص پر کافر کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دے یا اسے قتل کر دے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کافر قرار پاتا ہے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے اور اس سے حاکم وقت توبہ کا مطالبہ کرے گا اور اسے مہلت بھی دے گا۔ لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو حکومت وقت ہی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اسے قتل کی سزا دے۔ حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگر چہ علماء کی اجتماعیت کی طرف سے دیا جا چکا ہو، درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خوارج کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ایک تو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسری طرف جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔

باب ۴

موانع تکفیر

(مسلمان کو کافر قرار دینے سے روکنے والی چیزیں)

تکفیر (کسی کو کافر قرار دینے) کا مسئلہ نہایت نازک ہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی گالی اور کوئی نہیں ہوگی کہ اسے کافر کہہ دیا جائے۔ اور اگر وہ کافر نہیں ہے تو پھر کافر کہنے والے نے مومن کو کافر کہہ کر خود ایک کفریہ عمل کا ارتکاب کر لیا ہے، خواہ اس کفریہ عمل کو کچھ اہل علم کے بقول کفر اکبر کہیں یا جمہور فقہاء کے بقول کفر اصغر، دونوں صورتوں میں خیر اسی میں ہے کہ تکفیر (کسی کو کافر قرار دینے) سے احتیاط کی جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ اس سلسلہ میں جتنی احتیاط کی جائے، اتنی کم ہے۔

شریعت میں تکفیر سے جتنی احتیاط کی تاکید کی گئی ہے، افسوس کہ ہمارے ہاں اتنی ہی اس میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنا بعض مذہبی حلقوں میں دلچسپ مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ان پڑھ جاہل جذباتی لوگ تو تکفیر کو شاید اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ادھر عمل کفر دیکھا نہیں، ادھر تکفیر کا فتویٰ جاری کر دیا......!!

تکفیر سے احتیاط ہی کا ایک پہلو ہے کہ علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے۔ اور جمہور اہل علم نے تقریباً اتفاق رائے کے ساتھ اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں کسی شخص کے واضح ترین کفر کے ارتکاب پر بھی اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی

۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل

۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

آئندہ صفحات میں ان چاروں موانع پر تفصیل سے بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

فصل ا

جہالت اور لاعلمی

اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں جہالت کو تکفیر کا مانع تسلیم کیا گیا ہے، اگر چہ اس مسئلہ میں بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد وایمانیات میں جہالت کا عذر قابل قبول نہیں، فروعیات (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے عقائد اور فقہ (یعنی اصول وفروع) دونوں میں جہالت کے عذر کو تسلیم کیا ہے اور ہماری رائے میں یہی موقف دلائل کے اعتبار سے وزنی ہے اور تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی دلائل مثلاً اختلاف وتفرقہ بازی میں اعتدال، دوسروں کے ایمان کے بارے میں حسن ظن وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں عام روزمرہ زندگی میں بھی ہم اس حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے اور اس کی اس طرح ملامت نہیں کی جاتی جس طرح ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو جانتے بوجھتے غلطی کرتا ہے۔

شریعت میں جہالت کے عذر کا اعتبار

آئندہ سطور میں ہم چند ایسے دلائل ذکر کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں عقائد اور غیر عقائد دونوں جگہ جہالت کا اعتبار کیا گیا ہے:

پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کے سلسلہ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ﴾ [سورة الاسراء: ١٥]

''اور ہماری سنت یہ نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں''۔

اس لیے کہ نبی اور رسول ہی لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دین وشریعت کیا ہے، خود اپنے آپ انسان اللہ کی

شریعت کے بارے میں نہیں جان سکتا، اور جب تک کسی قوم میں رسول نہ آیا ہو تب تک انہیں دین وشریعت سے جاہل تصور کیا جائے گا۔ اور اس جہالت کی حالت میں کیے گئے کفر اور دین وشریعت کی مخالفت پر اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتے۔

دوسری دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گزشتہ قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

((كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلٰى نَفْسِهٖ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيْهِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِيْ، ثُمَّ اطْحَنُوْنِيْ، ثُمَّ ذَرُّوْنِيْ فِي الرِّيْحِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيَّ لَيُعَذِّبَنِّيْ عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا، فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهٖ ذٰلِكَ، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ: اجْمَعِيْ مَا فِيْكِ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! خَشْيَتُكَ، فَغَفَرَ لَهٗ))[1]

''ایک شخص اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور (جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو) اسے پیس کر راکھ بنا دینا اور پھر اس راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ کیونکہ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ مجھے اتنا عذاب دیں گے جتنا کسی اور کو نہ دیا ہوگا۔

جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اسی طرح کیا گیا جس طرح اس نے کہا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کی لاش کو جمع کر کے حاضر کر دو تو زمین نے اللہ کی تابعداری کی اور وہ شخص زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا:

''یا اللہ! آپ کے خوف سے!'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس پر رحم کیا اور) اسے معاف فرما دیا''۔

یہی روایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں اس طرح مذکور ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو مال و دولت اور اولاد کی نعمت سے سرفراز کر رکھا تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں تمہارے لیے کس طرح کی حیثیت کا باپ تھا؟ بیٹوں نے کہا کہ آپ اچھے باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے ہاں نیکیوں کا ذخیرہ نہیں

١۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب(٥٤)،حدیث٣٤٧٨، ح٣٤٧٩۔ مسلم، کتاب التوبۃ۔

کرسکا اور مجھے ڈر ہے کہ میں اللہ کے ہاں پہنچوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے لہٰذا تم ایسا کرنا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو اسے پیس کر راکھ بنا دینا اور جس دن تند و تیز آندھی آئے اس دن اس راکھ کو آندھی میں اڑا دینا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اس بات پر اپنے بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا اور بخدا! اس کے بیٹوں نے اس کی موت کے بعد ایسا ہی کیا۔ مگر (جب وہ اللہ کے حضور پہنچا تو) اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن (ہوجا) کہہ کر اسے زندہ فرما دیا اور وہ ایک آدمی کی شکل میں زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: ''(یا اللہ!) آپ سے خوف کی وجہ سے!'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا، (ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ) اور اسے معاف فرما دیا''۔ (۱)

اس حدیث سے بہت سے اہل علم نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے کفر کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے اس حدیث سے جہالت کو تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ استدلال کیا ہے، ایک جگہ بیان فرماتے ہیں:

''اس آدمی کا اللہ کے بارے میں یہ گمان تھا کہ اگر اس کی لاش کے اجزا بکھر جائیں گے تو اللہ انہیں جمع نہیں کر سکے گا کیونکہ اللہ کو اس کی قدرت نہیں ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کو لاش جمع کرنے کی قدرت نہیں اور دوسری یہ کہ لوگوں کو روز حشر اٹھایا نہیں جائے گا، لیکن وہ شخص اس چیز سے جاہل ہونے کے ساتھ اللہ پر ایمان بھی رکھتا تھا اور اللہ کی خشیت بھی اس میں تھی، حالانکہ اپنے گمان میں وہ واضح طور پر غلطی پر تھا مگر اس کے باوجود اللہ نے اسے بخش دیا۔ اور یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے کہ وہ شخص اس لالچ کے ساتھ ایسا کر رہا تھا کہ اسے اللہ اب زندہ نہیں کر سکے گا، یا کم از کم اسے دوبارہ زندہ کیے جانے (معاد) کے بارے میں شک تو ضرور تھا اور یہ شک بھی کفر ہے کیونکہ جب نبیوں کی طرف سے حجت قائم کر دی جاتی ہے تو پھر آخرت کے منکر پر کفر کا حکم لگتا ہے''۔ (۲)

اس حدیث کے حوالے سے علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ لکھتے ہیں کہ

۱۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب(٥٤)،حدیث٣٤٧٨، ح٣٤٧٩۔

۲۔ مجموع الفتاوی، ج١١، ص٤٠٩۔

''اس آدمی کی اللہ کی صفات میں سے صفتِ قدرت اور صفتِ علم سے جہالت نے اسے ایمان سے خارج نہیں کیا''۔[1]

اسی طرح ابن قیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''جو شخص کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، اسے معذور سمجھا جائے گا اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا''۔[2]

تیسری دلیل

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُنَيْنٍ وَنَحْنُ حَدِيثُو عَهْدٍ بِكُفْرٍ وَكَانُوا أَسْلَمُوا يَوْمَ الْفَتْحِ قَالَ: فَمَرَرْنَا بِشَجَرَةٍ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ وَكَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ يَعْكِفُونَ حَوْلَهَا وَيُعَلِّقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يَدْعُونَهَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ فَلَمَّا قُلْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))[3]

''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے اور اس وقت ہم نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، (کیونکہ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے) تو ہم ایک درخت کے پاس سے گذرے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی اسی طرح ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے جس طرح مشرکین کے لیے ذات انواط ہے۔ [ذاتِ انواط سے مراد ایسا درخت ہے جس پر لوگ نذر اور منت کے لیے اسلحہ لٹکاتے یا دھاگے وغیرہ باندھتے یا اور اسی طرح کی شرکیہ حرکتیں کرتے تھے] کیونکہ کافروں کے لیے ایک بیری کا درخت تھا جس کے پاس وہ اعتکاف کرتے اور اس پر اسلحہ لٹکاتے اور

۱۔ التمهيد، لابن عبد البر، ج۱۸، ص۴٦۔

۲۔ مدارج السالكين، ج۱، ص۳٦۷۔

۳۔ ترمذی، كتاب الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم۔ احمد، ج۵، ص۲۱۸۔ مصنف عبد الرزاق، ح۲۰۷٦۳۔ السنة، لابن ابی عاصم، ح۷٦۔

اسے ذاتِ اَنواط کے نام سے پکارتے تھے،تو جب ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات کہی تو آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگوں نے تو ایسی بات کہی ہے جیسی بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہی تھی کہ

﴿ اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾

''ہمارے لیے ایک الٰہ مقرر کر دیجیے جس طرح ان (فرعونیوں) کے لیے الٰہ ہیں، تو موسیٰ نے کہا: بے شک تم جاہل قوم ہو''۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے''۔

اس حدیث میں درختوں کے ساتھ چیزیں لٹکا کر منتیں ماننے اور کسی درخت کو مشکل کشا سمجھنے کو ایسے ہی قرار دیا گیا ہے جیسے اسے معبود بنانے والی بات ہو۔ لیکن اس طرح کی بات جن لوگوں نے کی تھی، وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انہیں اس مسئلہ میں صحیح علم ہی نہیں تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان پر کفر یا شرک کا حکم نہیں لگایا اور نہ ہی انہیں تجدید ایمان اور تجدید کلمہ کا حکم دیا۔

چوتھی دلیل

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ حَتّٰى لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ، وَلَيُسْرٰى عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ لَيْلَةٍ، فَلَا يَبْقٰى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ، وَتَبْقٰى طَوَائِفُ مِّنَ النَّاسِ، اَلشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْعَجُوْزُ، يَقُوْلُوْنَ: اَدْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلٰى هٰذِهِ الْكَلِمَةِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَنَحْنُ نَقُوْلُهَا۔ فَقَالَ لَهُ صِلَةُ: مَا تُغْنِيْ عَنْهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَدْرُوْنَ مَا صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ ثُمَّ رَدَّهَا عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ حُذَيْفَةُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: يَا صِلَةُ تُنْجِيْهِمْ مِّنَ النَّارِ ثَلَاثًا)) (۱)

۱۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب، ح ٤٠٤٩۔ صحیح ابن ماجہ، ج۲ ص۳۷۸۔ مستدرک حاکم، ج٤ ص۳۷۳۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ح۸۷۔

''اسلام بھی اس طرح مٹنا شروع ہو جائے گا جس طرح کپڑے سے اس کے نقش و نگار مٹنا شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایسا وقت آ جائے گا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوگا کہ روزہ کیا ہے، نماز کیا ہے، قربانی کیا ہے اور صدقہ وزکاۃ کیا ہے۔ اور اللہ کی کتاب پر ایک رات ایسی بھی آئے گی کہ زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی اور ایسے لوگ رہ جائیں گے جن کے بوڑھے باپ بھی کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) کے بارے میں یہ کہتے ہوئے پائے جائیں گے کہ ہمیں یہی ایک کلمہ آتا ہے''۔

حدیث کے ایک راوی صلۃ بن زفر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ جب یہ لوگ نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے بارے میں جانتے ہی نہ ہوں گے تو پھر اس کلمہ کا انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے منہ موڑ لیا (جواب نہ دیا)۔ انہوں نے پھر دوسری بار سوال کیا مگر حذیفہؓ نے جواب دیا۔ پھر تیسری بار انہوں نے یہی سوال کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تین بار کہا کہ کلمہ ہی ایسے لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلا دے گا''۔

امام ابن تیمیہؒ اس طرح کی احادیث کے پیش نظر فرماتے ہیں:

''بہت سے لوگ ایسے علاقوں یا ایسے زمانوں میں پیدا ہوتے ہیں کہ جب نبوت کے علوم کا بڑا حصہ مٹ چکا ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی باقی نہیں رہے ہوتے جو اس کتاب وحکمت کی آگے تبلیغ کریں جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، چنانچہ اس طرح اللہ کی طرف سے رسول پر بھیجے گئے دین کا بڑا حصہ لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا، تو ایسے لوگوں پر (کسی کفریہ عمل کی بنیاد پر) کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص جو اہل علم اور اہل مذہب لوگوں سے بہت دور کسی بستی میں پرورش پائے اور پھر وہ اسلام میں بھی نیا نیا داخل ہوا ہو تو اگر وہ کسی شرعی حکم جو بالکل ظاہر اور متواتر ہو، کا انکار کردے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا حتیٰ کہ اسے اس چیز کی پوری طرح معلومات دی جائیں جسے اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، اسی لیے ایک حدیث میں ذکر ملتا ہے: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب انہیں یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ نماز کیا ہے اور روزہ کیا ہے؟!''[(1)]

۱۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۱۱، ص ۴۰۷۔

پانچویں دلیل

عبداللہ بن ابی اوفیؓ بیان فرماتے ہیں کہ

((لَمَّا قَدِمَ مَعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ ﷺ: مَا هٰذَا يَا مَعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ، فَوَدَدْتُ فِيْ نَفْسِيْ أَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ بِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَلَا تَفْعَلُوْا، فَإِنِّيْ لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا))[1]

''جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کیا؟ تو وہ کہنے لگے کہ میں شام میں گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے پسند کیا کہ ہم بھی آپ کو سجدے کریں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے کسی کو سجدہ کرتا ہے، اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔[2]

ائمہ کرام کی آراء

۱۔ امام شافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے اسماء اور صفات ہیں جن کی تردید کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا، لیکن اگر کوئی شخص حجت واضح ہو جانے کے باوجود ان کی مخالفت و انکار کرے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا لیکن اس پر حجت قائم کرنے سے پہلے اسے جہالت کے عذر کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا کیونکہ ان صفات کا علم عقل سے یا آنکھ کی بصارت سے یا غور و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا''۔[3]

۱۔ ابن ماجه، ج۱، ص۵۹۵۔ ابن حبان، ح۱۲۹۰۔ السنن الکبریٰ، للبیهقی، ج۷، ص۲۹۲۔ علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: ارواء الغلیل، ج۷، ص۵۶۔

۲۔ نیل الاوطار، للشوکانی، ج۶، ص۲۳۴۔

۳۔ فتح الباری، ج۱۳، ص۴۱۸۔ نیز دیکھیے: الایمان الاوسط، لابن تیمیہؒ، ص۸۰۔

۲۔ ابن عربی مالکیؒ بیان فرماتے ہیں:

''جس طرح نیکی کے کاموں کو ایمان کا نام دیا جاتا ہے، اسی طرح گناہوں کو کفر کہا جاتا ہے۔ جہاں کہیں مطلق طور پر گناہوں کو کفر قرار دیا جائے وہاں اس سے ایسا کفر مراد نہیں لیا جائے گا جو ملت سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس امت میں جاہل اور غلطی کرنے والا خواہ کفر و شرک کا ارتکاب کر لے، اسے جہالت اور غلطی کے عذر کی وجہ سے کافر و مشرک قرار نہیں دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کے لیے وہ حجت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جس کے انکار کرنے والے پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے''۔[1]

۳۔ امام ابن حزمؒ قاضی ابو یوسفؒ (امام ابو حنیفہؒ کے معروف شاگرد اور ہارون الرشید کے دور کے چیف جسٹس) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

''قاضی ابو یوسفؒ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اس شخص کی گواہی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو سلف صالحین (صحابہؓ) میں سے کسی کو گالی دے؟ تو انہوں نے صحیح سچ جواب دیا کہ اگر میرے نزدیک ایک شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے پڑوسی کو گالی دیتا ہے تو میں تو اس کی بھی گواہی قبول نہ کروں گا، جب کہ امت کے بزرگوں (سلف صالحین) میں سے کسی کو گالی دینا تو اس سے زیادہ قبیح بات ہے۔ ہاں اگر کوئی جہالت سے ایسا کرے اور اس پر نص (قرآن و سنت کی دلیل) کے ساتھ صحابہ کی فضیلت اور انہیں گالی دینے کی ممانعت کی حجت قائم نہ کی گئی ہو تو پھر اس کی اس گالی سے بلکہ اس سے بھی بڑی گالی سے اس کے دین میں بالکل کوئی بگاڑ نہیں آئے گا۔ اور اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے اس سلسلہ میں معلومات دی جائیں اور اگر وہ (سلف کے معاملہ میں) پھر بھی سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ فاسق ہے اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے معاملہ میں اس طرح کی سرکشی کرتا ہے تو پھر وہ کافر اور مشرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص جہالت اور غلطی کی وجہ سے قرآن بدل دے (پڑھتے ہوئے یا لکھتے ہوئے) یا جہالت اور غلطی سے قبلہ کے علاوہ کسی اور رخ پر نماز پڑھ لے تو اس کے ساتھ بھی اس کے دین پر کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی گئی ہو۔ اور اسی بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے''۔[2]

۱۔ محاسن التاویل، للقاسمی، ج۵، ص۱۳۰۷۔ ۲۔ الاحکام، لابن حزم، ج۱، ص۱۳۳۔

فصل ۲

خطا اور غلطی

لفظ خطا (الخطاء) کا لغوی معنی ہے غلطی۔ خطا کرنے کا مطلب ہوا غلطی کی۔ اسی طرح اسے 'ضد الصواب' یعنی صحیح اور درست کی ضد بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں أخطأ الطريق کا مطلب ہے 'راستہ بھول گیا'۔ اسی طرح و أخطأ الرامي الغرض کا مطلب ہے: 'شکار کرنے والا نشانہ لگانے میں غلطی کر گیا'۔ (۱)

غیرارادی طور پر کسی غلط کام کے ارتکاب کو 'خطا' کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [سورة الأحزاب:۵]

''تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے''۔

یہ بات واضح رہے کہ غلطی کا تعلق عام طور پر غیرارادی صورتحال سے ہے یعنی ایک شخص سبقتِ لسانی کی وجہ سے ایسی بات کہہ دیتا ہے جو وہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اسی طرح ایک شخص کم علمی، جہالت یا کسی شبہ کی وجہ سے کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جو جہالت یا شبہ کی عدم موجودگی میں وہ کسی صورت بھی نہیں کرتا۔ مثلاً ایک شخص شبہ کی وجہ سے کسی اور کو بیٹا یا باپ کہہ دیتا ہے، حالانکہ جان بوجھ کر وہ ایسا نہیں کرتا۔

اسی طرح بعض اوقات غلط اجتہاد اور تاویل کی وجہ سے بھی غلطی لگ جاتی ہے۔ اور جس طرح جہالت کی وجہ سے جاہل شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا، اسی طرح اگر کوئی شخص خطا کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر بھی کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں جہالت کی طرح خطا کو بھی تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۔ دیکھیے: کتب لغات بذیل مادہ۔

اگر چہ عذر جہالت کی طرح اس مسئلہ میں بھی بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد وایمانیات میں خطا کا عذر قابل قبول نہیں، البتہ فروعیات (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے جہالت کے عذر کی طرح خطا کا عذر بھی عقائد اور فقہ (یعنی اصول وفروع) دونوں میں تسلیم کیا ہے اور یہی رائے درست ہے۔

شریعت میں خطا کے عذر کا اعتبار

آئندہ سطور میں چند ایک وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں عقائد (یعنی اصول) اور فروع (یعنی فقہی مسائل) دونوں جگہ خطا کا اعتبار کیا گیا ہے:

پہلی دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [سورۃ الأحزاب:۵]

”لے پالکوں (منہ بولی اولاد) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ، اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے“۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ لے پالک اور منہ بولی اولاد حقیقی اولاد نہیں ہوتی، اس لیے بچے کو اسی باپ کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی کی نسبت کے ساتھ اسے پکارا جائے جو اس کا حقیقی باپ ہے اور اگر غلطی سے کسی کو غلط نسبت سے پکارا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا گناہ ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ”جس شخص نے کسی کو جان بوجھ کر غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کیا“۔ (۱)

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب نسبة اليمن الى اسماعيلؑ۔

اگر چہ یہ آیات نسب میں غلطی کی معافی کے بارے میں ہیں لیکن اہل علم نے بالاتفاق ان آیات سے یہ (عمومی) استدلال کیا ہے کہ غلطی کی وجہ سے کیے گئے کسی بھی گناہ کے کام پر گناہ لازم نہیں آتا، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ صحیح بخاری کی شرح میں بیان فرماتے ہیں:

"لم يمنع ذلك من الاستدلال بعمومها، وقد أجمعوا على العمل بعمومها في سقوط الإثم "[1]

''ان آیات کے عموم سے استدلال کرنا منع نہیں ہے بلکہ اہل علم نے ان آیات کے عموم پر عمل کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ (غلطی سے کیے گئے کسی بھی کام پر) گناہ نہیں ہوگا''۔

دوسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ﴾ [سورة النساء: ۹۲]

''کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے ہو جائے (تو یہ اور بات ہے) اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو دیت (خون بہا/تاوان) دینا لازم آتا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں''۔

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ [سورة النساء: ۹۳]

''جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا، اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے، اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

ان آیات میں صرف ایسے مومن کی مذمت کی گئی ہے جو جان بوجھ کر دوسرے مومن کو قتل کرتا ہے اور جو غلطی سے اتنا بڑا گناہ کرتا ہے، اس کے ذمہ دنیا میں کچھ مالی سزا تو ہے مگر آخرت اس پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔

۱۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۵۵۱۔

تیسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ [سورة البقرة:٢٨٦]

''اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو اس پر ہمارا مؤاخذہ نہ فرما''۔

اس آیت میں اہل ایمان کی دعا ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو اس پر ہمارا مؤاخذہ نہ فرما''۔ اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اہل ایمان کی اس دعا کو قبول کرتے اور اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((فقد فعلت))[1]

''ہاں، میں نے ایسا ہی کیا''۔

ظاہر ہے اگر غلطی سے کیا گیا گناہ اللہ کے ہاں قابل معافی نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرنے کی بجائے صاف واضح فرما دیتے کہ ایسا نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے اس دعا کو قبول فرمایا اور یہ بھی واضح رہے کہ اللہ کا یہ فیصلہ تمام اہل ایمان کے لیے ہے، کسی خاص گروہ کے لیے نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِيَ الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ))[2]

''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور جس کام میں ان پر جبر و اکراہ کیا جائے، (ان تینوں کو) معاف کر دیا ہے''۔

حافظ ابن رجب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انه سبحانه وتعالیٰ لم یکلف الا ما یطاق، ح١٢٥، ١٢٦۔

۲۔ ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق المکره والناسی، ح٢٠٤٥۔ المستدرك للحاکم، ج٢، ص١٩٨۔ السنن الکبریٰ، للبیهقی، ج٧، ٣٥٦۔ ارواء الغلیل، ح٨٢۔

''اگر کوئی شخص ایک کام کرنا چاہے مگر اس سے اس کے ارادے کے برعکس کوئی اور کام سرزد ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں مثلاً جیسے ایک شخص کافر کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اچانک اس سے کوئی مسلمان قتل ہو جاتا ہے تو یہ خطا ہے۔ اور نسیان (بھول چوک) کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایک کام یاد تھا کہ فلاں وقت اس نے وہ کرنا ہے مگر جب اس کا وقت آتا ہے تو وہ اسے بھول جاتا ہے اور کر نہیں پاتا۔ یہ دونوں چیزیں (یعنی خطا اور بھول چوک شریعت میں) قابل معافی ہیں۔ قابل معافی ہونے کا مطلب ہے کہ ان کا گناہ نہیں ہوگا اور گناہ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی بنیاد پر جو (ظاہری شرعی) احکام لاگو ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے مثلاً اگر کوئی غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس پر کفارہ یا دیت کا حکم ختم نہیں ہوتا...... ان دو حالتوں میں (گناہ تو نہیں ہوتا البتہ) کسی اور شرعی حکم کے عائد ہونے یا ختم ہونے کے لیے کوئی اور دلیل موجود ہونی چاہیے''۔ (۱)

پانچویں دلیل

حضرت عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ، وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ)) (۲)

''جب حاکم (قاضی) کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر وہ فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد میں غلطی کر جائے تو پھر اس کے لیے ایک اجر ہے''۔

ایسے شخص کو غلطی کے باوجود ایک اجر اس لیے ملتا ہے کہ اس نے حق تک پہنچنے کے لیے کوشش کی ہے اور اس کوشش کا اجر اس سے ضائع نہیں جاتا اور جو اس کوشش میں حق تک پہنچ جائے اسے دو اجر ملتے ہیں۔ ایک اجر کوشش کا اور دوسرا حق تک پہنچنے کا۔

امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

۱۔ جامع العلوم و الحکم، ص ۳۵۲، ۳۵۴۔

۲۔ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، باب اجر الحاکم اذا اجتھد۔

''اس امت میں سے جس نے حق کی تلاش میں کوشش کی اور اس کوشش میں وہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کی یہ غلطی تو قابل معافی ہے۔ البتہ جس نے نبی کے لائے ہوئے دین کے واضح ہو جانے کے بعد اس ہدایت کے کام میں نبی کی مخالفت کی اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کیا تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔ اور جس نے خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اجتہاد کیا، اور حق کی تلاش میں کوتاہی کی اور بغیر علم کے اس سلسلہ میں کوئی بات کی تو وہ گنہگار اور فاسق ہے۔ اور ایسے فاسق کے بارے میں ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس (نامۂ اعمال میں) اتنی نیکیاں ہوں جو اس کی اس غلطی پر غالب آ جائیں''۔ (۱)

نیز فرماتے ہیں:

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے، خواہ کوئی غلطی اور کوتاہی سے کفر کا کام کر رہا ہو، الا یہ کہ اس پر دلیل و حجت قائم کر دی گئی ہو اور وہ دلیل اس کے لیے واضح بھی ہو گئی ہو۔ اور جس شخص کا اسلام یقین کی بنیاد پر ثابت ہو اس کا ایمان شک کی بنیاد پر ختم نہیں ہوسکتا بلکہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس پر حجت قائم کر دی جائے اور اس کا شبہ دور کر دیا جائے''۔ (۲)

......☆......

۱۔ مجموع الفتاویٰ، ج۱۲، ص ۱۸۰۔

۲۔ مجموع الفتاویٰ، ایضاً، ج۱۲، ص۴٦٦، ۵۲۳، ۵۲٤۔

فصل ۳

اِکراہ اور جبر

'اکراہ' کا مطلب ہے کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کے لیے مجبور کرنا جسے وہ اپنے ارادے اور مرضی سے کسی صورت بھی نہ کرنا چاہتا ہو مثلاً ایک غیر مسلم کسی مسلمان کو اپنی قید میں کر لے اور اس کے بعد اس سے کہے کہ تم اپنی مذہبی کتاب یا اپنے پیغمبر یا کسی اور دینی شعار وغیرہ کو گالی دو، ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور مسلمان کو یقین بھی ہو یا کم از کم ظن غالب ہو کہ اس کی بات پر عمل نہ کیا تو یہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے، اسے کر گزرے گا تو ایسی صورت اس کے لیے 'اِکراہ' کہلائے گی۔

اکراہ میں کسی شخص کو براہِ راست (بلاواسطہ) بھی مجبور کیا جا سکتا ہے اور بالواسطہ بھی۔ بلاواسطہ کی مثال تو اوپر گزر چکی اور بالواسطہ کی مثال اس طرح سمجھیے کہ ایک ڈاکو اور لٹیرا کسی شخص کے بچے کو اغوا کر لے اور اس کے بعد بچے کے باپ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرے جسے وہ دل کی خوشی سے کبھی بھی پورا نہ کر سکتا ہو مگر اولاد کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو یہ صورت بھی 'اِکراہ' کہلائے گی۔

اِکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر

اکراہ کی حالت میں اگر کوئی شخص کلمۂ کفر کہہ دے تو اس سے وہ کافر قرار نہیں پائے گا، بشرطیکہ اس نے کلمۂ کفر حلق سے اوپر اوپر کہا ہو، دل کی رضا اور نیت کے ساتھ نہ کہا ہو، اور وہ بھی مجبوری کی صورت میں کہا ہو اور اس کے دل میں کفر کے لیے نفرت بھی پائی جاتی ہو۔

پہلی دلیل

قرآن و سنت کے کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کہنے کی معافی ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[سورة النحل: ١٠٦، ١٠٧]

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد کفر کرے، سوائے اُس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو اسے معافی ہے) مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا''۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیں اور ہمارے معبودوں کی تعریف کریں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر ان کی بات مان لی۔ پھر جب عمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار سے پوچھا:

((كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟ قَالَ: مُطْمَئِنًّا قَالَ إِنْ عَادُوْا فَعُدْ))[۱]

''تم اپنے دل کی حالت کیا محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: (ایمان پر) مطمئن ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا پھر اگر ایسا موقع پیدا ہو تو تم اسی طرح کرنا''۔

ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

''یہ آیت اس مسئلہ میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی گنجائش ہے''۔[۲]

حافظ ابن حجرؒ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص موت کے ڈر سے کلمۂ کفر کہے اور اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی اس کی (مسلمان) بیوی کا نکاح اس سے ختم ہوگا''۔[۳]

مفسر ابن العربی مالکیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ فتح الباری، ج۱۲، ص ۳۱۲۔ حاکم، ج۲ ص۳۵۷۔ بیہقی، ج۸ ص۲۰۸۔ ابن حجرؒ بیان فرماتے ہیں کہ اس روایت کی تمام اسناد مرسل ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت عمارؓ ہی کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔

۲۔ احکام القرآن، ج۳ ص۱۱۸۰۔

۳۔ فتح الباری، ج۱۲، ص۳۱٤۔

''مجبور (مکرہ) شخص کے لیے کفر باللہ کی گنجائش ہے مگر (اہل علم کی) اس متفقہ شرط کے ساتھ کہ اس کا یہ قول زبان کی حد تک ہو، جبکہ دل ایمان کے ساتھ بھرپور ہو لیکن اگر اس کا دل بھی اس کفر میں زبان کی مدد کر رہا ہو تو پھر وہ کافر کی طرح گنہگار ہے کیونکہ کسی پر زبردستی اس کی ظاہری حالت پر تو ہو سکتی ہے، مگر باطن (دل) پر زبردستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔[1]

دوسری دلیل

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾[سورة آل عمران: ۲۸، ۲۹]

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان (کافروں) کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو (تو یہ اور بات ہے)''۔

اس آیت سے بھی اہل علم نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ دشمنوں سے جان بچانے کے لیے اسلام کے خلاف کوئی ایسی کفریہ بات کہنا جس سے کافر دشمن راضی ہو جائیں اور کلمۂ کفر کہنے والے کی جان بچ جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔

افضل کیا ہے؟

اکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا اگرچہ جائز ہے مگر اس سلسلہ میں بالاتفاق افضل یہی ہے کہ انسان عزیمت کی راہ اختیار کرے یعنی ایمان کی خاطر جان کی بازی لگا دے، مگر کلمۂ کفر نہ کہے جیسا کہ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ موت کو پسند کر لے تو اللہ کے ہاں اس کے اس فعل کا ثواب اس شخص کی نسبت زیادہ ہے جو ایسی صورت میں رخصت کو اختیار کرتا ہے''۔[2]

۱۔ احکام القرآن، ج۳ص۱۱۷۸۔

۲۔ فتح الباری، ج۱۲، ص۳۱۷۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

''افضل اور بہتر یہی ہے کہ ایک مسلمان ایسی صورت میں اپنے دین پر قائم رہے خواہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے''۔ [1]

یہی بات اہل سنت کے اور بہت سے اہل علم نے بیان کی ہے اور ان اہل علم نے اس سلسلہ میں عزیمت کی راہ اختیار کرنے (یعنی کلمۂ کفر کی بجائے موت کو قبول کر لینے) کو افضل قرار دیتے ہوئے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں ایک یہ حدیث بھی ہے:

حضرت خباب بن اَرت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَ يُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مِنْ دُونِ لَحْمِهِ وَ عِظَمِهِ فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ)) [2]

''تم میں سے پہلی امتوں میں یہ کچھ ہوتا رہا ہے کہ (ایمان والے) آدمی کو پکڑ کر لایا جاتا، زمین میں گڑھا کھود کر اسے اس میں ڈالا جاتا ہے اور پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور (بعض کے ساتھ یہ ہوتا کہ) ان کے گوشت اور ہڈیوں میں لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتیں لیکن یہ اَذیتیں انہیں اپنا دین چھوڑنے پر پھر بھی مجبور نہ کر پاتیں''۔

اس طرح بعض اہل علم نے ایسی صورت میں عزیمت کی راہ اختیار کرنے کی مزید تاکید بھی کی ہے کہ جب عزیمت کی راہ اختیار نہ کرنے پر دین کا مجموعی طور پر کوئی نقصان ہو یا دین کے بارے میں کسی طرح کی غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ یا ایسا شخص اس طرح کی کسی آزمائش کا شکار ہو جس کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہو اور خطرہ ہو کہ کہیں وہ غلط فہمی سے رخصت والی صورت کو رخصت کی بجائے اصل مسئلہ ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک عالم دین کے حوالے سے پوچھا گیا کہ کیا وہ (مشکل وقت میں) تقیہ کر سکتا

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۲ ص۵۸۸۔

۲۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب و القتل و الھوان علی الکفر، ح۶۹۴۳۔

ہے؟ (یعنی جھوٹ بول کر جان بچا سکتا ہے) تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اگر عالم ایسے موقع پر تقیہ کرنے لگیں اور جاہل پہلے ہی حق بات نہ جانتے ہوں تو حق کیسے واضح ہوگا؟!''۔[۱]

اِکراہ کا تعلق قول اور فعل سے ہے نہ کہ دل کے ساتھ

بعض اہل علم کے بقول اِکراہ کا تعلق زبان اور قول کے ساتھ ہے، فعل وعمل اور دل کے ارادے ونیت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں جبکہ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کا تعلق قول اور فعل دونوں سے ہوسکتا ہے، البتہ دل کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

اسے آپ اس مثال سے سمجھیں کہ ایک شخص کو شراب پینے، کسی کو گالی دینے یا کسی پر تہمت لگانے یا ایسے ہی کسی اور گناہ کے کام پر مجبور کیا جاتا ہے اور وہ شراب بھی پی لیتا ہے، لوگوں کو گالی بھی دیتا ہے اور ان پر تہمت بھی لگاتا ہے، مگر اس کا دل ان میں سے کسی فعل پر بھی مطمئن نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں وہ اللہ کے ہاں گنہگار اور قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی دنیا میں اسے اس پر سزا دی جائے گی۔لیکن اگر وہ اَز خود ان میں سے کسی کام کو کرنا چاہتا ہو مگر قانون کے ڈر سے موقع نہ پاتا ہو اور پھر کسی کے ظاہری دباؤ اور اصرار سے اسے اس کام کا موقع مل جائے تو دنیوی قانون سے تو وہ پھر بھی بچ ہی جائے گا، مگر اللہ کے ہاں وہ مجرم ہوگا۔اس لیے کہ قانون کا تعلق ظاہری اعمال کے ساتھ ہے، جبکہ دل کا معاملہ اللہ ہی جانتے ہیں کیونکہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان کی بات ہے۔

اسی طرح اِکراہ کے حوالے سے ایک یہ مسئلہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بعض گناہ کے کام اِکراہ کی صورت میں نہیں کیے جاسکتے اور اگر وہ کیے جائیں تو انہیں قابل معافی قرار نہیں دیا جائے گا۔مثلاً ایک شخص کو قتل کی دھمکی دے کر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی اور مسلمان کو قتل کرے (ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا) تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ یہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے مسلمان کو قتل کرے اور اگر یہ کسی کو قتل کرے گا تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا۔لیکن ذمہ داری کی حدود کیا ہوں گی، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام قرطبی بیان فرماتے ہیں:

۱۔ البحر المحیط، لابی حیان، ج۲، ص۴۲۴۔

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ دوسرے کو قتل کرے تو ایسے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی اور کو قتل کرے بلکہ اسے ایسی آزمائش کی حالت میں صبر کرنا چاہیے اور اللہ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہیے''۔ [1]

......☆......

۱۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۰، ص ۱۸۳۔ اس مسئلہ میں دیگر اہل علم کی آراء کے لیے دیکھیے: فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۱۲۔ احکام القرآن، لابن العربی، ج ۳، ص ۱۱۷۷۔

فصل ۴

تاویل

تاویل کسے کہتے ہیں

تاویل کا لغوی معنی ہے: لوٹنا، رجوع کرنا، پھرنا، ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جانا۔ اصطلاحی طور پر تاویل کا لفظ یا تو تفسیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی کسی غیر واضح، مجمل، مبہم یا مشتبہ چیز کی وضاحت اور تفہیم کے معنی میں۔ زیادہ تر مفسرین اسے اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ تفسیر طبری کا اصل نام یعنی: الجامع فی تاویل آی القرآن بھی تاویل کے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لفظ تاویل کا دوسرا معنی ہے کلام کی روح، مراد و مدعا اور مفہوم و مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ یہ معنی اس کلام کے ظاہر کے موافق و مطابق بھی ہوسکتا ہے اور ظاہر کے بالکل الٹ بھی۔ اگر زبان و بیان کے مسلمہ اصولوں، ضابطوں اور نیک نیتی کے ساتھ تاویل کی جائے تو یہ تاویلِ صحیح کی قسم میں شمار ہوگی ورنہ یہ تاویلِ فاسد کہلائے گی اور ایسی ہی تاویل کو بعض اہل علم تاویل کی بجائے تحریف بھی کہتے ہیں۔

تاویل کا عذر تسلیم کیا جائے گا، خواہ تاویل کا تعلق عقائد سے ہو یا فروعات سے

اہل سنت کے علماء نے 'تاویل' کو تکفیر کا عذر اور مانع (رکاوٹ) تسلیم کیا ہے، البتہ تاویل کی ایسی صورت کو بعض اہل علم نے تکفیر میں عذر اور مانع تسلیم نہیں کیا جو تاویل کہلانے کی مستحق ہی نہ ہو بلکہ جسے تحریف کہنا ہی مناسب ہو۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب تاویل کرنے والے کے بارے میں ایسے قرائن اور شواہد بھی مل رہے ہوں جو اس کی لادینیت، لامذہبیت، کفر و الحاد اور خبثِ باطن کی تائید کررہے ہوں مثلاً کوئی یہ تاویل کرے کہ نماز سے متعلقہ آیات کا وہ معنی و مفہوم مراد نہیں ہے جو امت مسلمہ شروع سے سمجھتی چلی آرہی ہے بلکہ اس کا معنی کچھ اور ہے تو ظاہر ہے ایسی تاویل صریح طور پر تاویلِ فاسد کہلائے گی اور اس کے ساتھ اس کا کردار بھی اگر دین و شریعت سے استہزاء کی نشاندہی کررہا ہو تو پھر معاملہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

البتہ تاویل کے سلسلہ میں یہ بات ضرور واضح رہنی چاہیے کہ یہ فرق کرنا بہت مشکل اور پیچیدہ ہے کہ کون سی

تاویل قابل قبول ہے اور کون سی نہیں۔ اگر چہ مطلق اور عمومی انداز میں بعض اہل علم نے اس میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے مسئلہ میں انفرادی رائے قائم کرنے کی بجائے اسے علماء کی جماعت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ تاویل کرنے والے کی تاویل کا بھی دلائل کی روشنی میں پوری طرح سنجیدگی سے جائزہ لیں اور ان حالات کو بھی دیکھنے کی کوشش کریں جن میں تاویل کرنے والے تاویل کر رہے ہیں۔

تاویل کے عذر اور مانع تکفیر ہونے کے بارے میں اہل علم کی آراء

اہل علم نے تاویل کو ہمیشہ عذر کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ امام شافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

''سلف میں سے جن کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کے بعد تابعین وغیرہ میں سے بھی کسی کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے تاویل کرنے والے کی گواہی کو رد کیا ہو، اگر چہ وہ ایسے شخص کو (جو غلط تاویل کرتا ہے)، خطا کار اور گمراہ کہتے تھے اور وہ دیکھ رہے ہوتے تھے کہ اس شخص نے (تاویل کی وجہ سے) ایک حرام چیز کو حلال سمجھ لیا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کی گواہی کو رد نہیں کرتے تھے بشرطیکہ اس کی تاویل ایسی ہو جس کی گنجائش اور احتمال ہو، خواہ وہ اس تاویل کے ساتھ کسی کا خون اور مال حلال کر رہا ہو اور خواہ وہ اس بنیاد پر بڑی عجیب (افراط وتفریط پر مبنی) بات کہہ رہا ہو''۔ [۱]

تاویل کی بنیاد پر کسی مسلمان کو چونکہ کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے امام شافعیؒ یہ فرما رہے ہیں کہ تاویل کرنے والے شخص کی گواہی بھی رد نہیں کی جائے گی یعنی اسے گواہی کے سلسلہ میں نااہل قرار نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ مسلمانوں کے معاملات میں کافر کی گواہی بیشتر صورتوں میں ناقابل قبول ہے، خواہ اس کی تاویل سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو البتہ کسی نہ کسی درجہ میں اس تاویل کا احتمال ممکن بھی ہونا چاہیے۔

۲۔ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

۱۔ الام، للشافعی، ج٦، ص٢٠٥، ٢٠٦۔

''اہل کوفہ میں سے علم وعمل کے لحاظ سے امت کے بعض فاضل بزرگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ شراب صرف وہ ہے جو انگور سے بنتی ہے اور انگور اور کھجور کے علاوہ چیزوں سے بنے ہوئے مشروب کی صرف اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ پیدا کر دے (اس سے کم مقدار میں اسے پینا حرام نہیں ہے) اور ظاہر ہے جسے وہ حلال سمجھتے ہیں، اسے پیتے بھی ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ بھی اس (تکفیر اور جہنم کی) وعید میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ ان کی رائے تاویل پر مبنی ہونے کے وجہ سے ان کے لیے ایک عذر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح کچھ اور موانع بھی ان پر ایسا حکم لگانے سے روکتے ہیں......

اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ 'جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے خلاف لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جائیں گے'۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ مومنوں کے ساتھ ناحق لڑنا حرام ہے، اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شرکت کرنے والے جہنم میں نہیں جائیں گے کیونکہ ان لڑائیوں میں ان کے پیش نظر عذر اور تاویل تھی''۔ [۱]

۳۔ امام ابن قیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''جو شخص کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، اسے معذور سمجھا جائے گا اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا''۔ [۲]

تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں حکم

مسلمانوں میں آج تک جتنے بھی گروہ پیدا ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر کا دارومدار زیادہ تر تاویل ہی پر رہا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مسلمانوں کے اصولی اور فقہی (فروعی) اختلافات کے پیچھے زیادہ تر تاویل ہی کارفرما ہے کیونکہ قرآن وسنت کی قانونی و استنادی حیثیت تو قریب قریب سبھی فرقے مانتے رہے ہیں، البتہ ان کے فہم اور مراد و مدعا کے تعین کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے۔ خود کسی ایک فرقے ہی کو لے لیجیے، ان میں بھی تاویل کی بنیاد پر بیسیوں اختلافات مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ

۱۔ مجموع الفتاوی، ج۲۰، ص۲۶۳، ۲۶۸۔
۲۔ مدارج السالکین، ج۱، ص۳۶۷۔

اہل علم کی بڑی تعداد تکفیر کے سلسلہ میں تاویل کو ایک مانع وعذر کے طور پر ہمیشہ تسلیم کرتی رہی ہے۔اس کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ مختلف گمراہ فرقوں کو محتاط اہل علم نے مجموعی طور پر کبھی کافر نہیں کہا، ہاں البتہ انہیں گمراہ، یا خواہش پرست (اَھْلُ الْاَھْوَاء) یا اہل بدعت، یا اہل باطل وغیرہ ضرور کہا ہے۔خوارج کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا تھا، اور جن صحابہ کرام نے ان کا سامنا کیا، انہوں نے انہیں کافر قرار نہیں دیا تھا۔ اسی طرح قدریہ فرقہ کا ظہور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ میں ہو چکا تھا، اور انہیں بھی ان کی تاویلات کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاتا تھا۔یہی صورت حال بعد میں شیعہ، معتزلہ، مرجئہ، وغیرہ دیگر فرقوں کے ساتھ تھی کہ اہل علم کی بڑی تعداد مجموعی طور پر ان کی تکفیر نہیں کرتی تھے، البتہ انفرادی اور جزوی مثالیں اس سے مستثنٰی ہیں۔

تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا نقطۂ نظر

اہل سنت میں امام احمد بن حنبلؒ کو بلاشبہ ایک نمایاں مقام حاصل ہے، اور آپ کو سلف کا شارح اور سنت کا محافظ قرار دیا جاتا ہے۔تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں آپ بڑا کھلا ذہن رکھتے تھے، انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے، خواہ ان کی تاویل کس قدر گمراہی پر مبنی ہی کیوں نہ ہوتی۔اور ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ان کے ساتھ میل ملاپ بھی اسی طرح رکھتے تھے جس طرح ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہوتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے افکار پر پورے دلائل کے ساتھ رد بھی کرتے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے یقیناً بڑی گہرائی کے ساتھ امام احمدؒ کے افکار کا مطالعہ کیا ہے، وہ امام احمدؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سلف اور ائمہ کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرجئہ اور تفضیلی شیعہ اور ان جیسے دیگر فرقوں کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔امام احمدؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک ہی طرح کی روایت ملتی ہے اور وہ یہ کہ ایسے لوگوں کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔البتہ ان کے اصحاب میں سے بعض لوگوں نے امام احمدؒ اور ان کے مذہب کے برخلاف تمام اہل بدعت کو کافر قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو ایسے لوگوں کو ابدی جہنمی بھی کہا ہے حالانکہ یہ امام احمدؒ کے مذہب وموقف کے مطابق بھی اور شریعت کے مطابق بھی بالکل غلط رویہ ہے۔اور حنابلہ میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو انہیں عام گنہگاروں کی طرح سمجھتے ہوئے کسی کی تکفیر

کے بھی قائل نہیں ہیں اوران کا کہنا ہے کہ جس طرح اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے یہ اصول ہے کہ کسی شخص کو گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح کسی شخص کو بدعت کی بنیاد پر بھی کافر قرار نہیں دیا جاسکتا''۔(۱)

نیز لکھتے ہیں:

''امام احمدؒ نے جہمیہ فرقہ کے سرکردہ لوگوں کی کبھی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی کسی کے بتانے پر کسی جہمی کی تکفیر کی اور نہ ہی ایسے شخص کی کبھی تکفیر کی جس نے جہمیہ کے بدعت پر مبنی بعض اقوال کو اختیار کیا بلکہ آپ نے تو ایسے جہمی لوگوں کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتے تھے اور جنہوں نے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اوران لوگوں کو سخت سزائیں دیں جوان کی تائید نہیں کرتے تھے لیکن امام احمدؒ نے ان کی اور نہ ہی ان جیسے دوسرے لوگوں کی تکفیر کی، بلکہ آپ ان کے مومن ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی امامت کو درست سمجھتے تھے اوران کے لیے دعا بھی کرتے تھے اوران کے پیچھے نماز پڑھنے کو صحیح سمجھتے تھے، اسی طرح ان کی قیادت میں حج اور جہاد کرنے کے بھی قائل تھے اوران جہمیہ کی طرح کے حاکموں کے خلاف خروج کو بھی درست قرار نہیں دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ان کے اس قول باطل کی تردید بھی کرتے تھے جو بہت بڑا کفر ہے، اگرچہ جہمیہ خود اسے کفر نہیں سمجھتے تھے۔ امام احمد جہمیہ کی تردید میں حتی الممکن (قلمی وزبانی) جہاد بھی کرتے رہے، چنانچہ اس طرح امام احمدؒ نے ان دونوں چیزوں کو صحیح اعتدال کے ساتھ ایک ہی وقت میں جمع کرکے دکھایا یعنی ایک طرف دین اور نبی کی سنت کے غلبہ کے لیے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اور دوسری طرف ان ملحد قسم کے جہمیہ لوگوں کی بدعات کو رد کیا اوراس کے ساتھ حکمرانوں اورامت کے مومنوں پر جو حقوق ہیں، ان کی بھی رعایت اور پاسداری کی۔ اگرچہ یہ جہمی لوگ جاہل، بدعتی، ظالم اور فاسق تھے''۔(۲)

۱۔ مجموع الفتاوی، ج۳، ص ۳۵۱۔

۲۔ ایضاً، ج۷، ص ۵۰۷، ۵۰۸۔ نیز دیکھیے: ج۱۲، ص۴۸۸۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ کا نقطہ نظر

امام ابن تیمیہؒ جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ تکفیر میں متشدد تھے، انہوں نے بھی اہل تاویل کو ان کی تاویل کا پورا پورا فائدہ دینے کی رائے اختیار کی ہے۔ آپ نے بھی سلف کی پیروی کرتے ہوئے مختلف تاویل کرنے والے فرقوں کو مجموعی طور پر کبھی کافر قرار نہیں دیا، بلکہ جس کسی نے ایسی رائے اختیار کی، اس کی آپؒ نے پرزور تردید کی اور اس رائے کو قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا۔ آئندہ سطور میں اس حوالے سے آپؒ کی بعض آراء اور بیانات نقل کیے جارہے ہیں۔

وہ حدیث جس میں ہے کہ یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک کے علاوہ باقی سب جہنم میں جائیں گے، اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ یہ فرقے کافر نہیں ہیں اور ان کا جہنم میں جانے کی وعید سے یہ مراد نہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے کافروں کی طرح جہنم میں جائیں گے بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنی گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے وقتی طور پر جہنم میں جائیں گے اور پھر جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ چنانچہ آپؒ بیان فرماتے ہیں:

''جس شخص نے ان میں سے بہتر (۷۲) فرقوں کو کافر قرار دیا، اس نے قرآن، سنت اور صحابہ وتابعین کے اجماع کی مخالفت کی۔ جبکہ یہ حدیث بخاری ومسلم کی بھی نہیں ہے بلکہ ابن حزم وغیرہ نے تو اسے ضعیف بھی کہا ہے، تاہم بعض اہل علم نے اسے حسن یا صحیح بھی کہا ہے جیسا کہ امام حاکم وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے اور اہل سنن نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ کئی اسناد سے روایت کی گئی ہے۔ یہ حدیث قرآن مجید کی ان آیات سے زیادہ عظیم نہیں ہے جن میں (مومنوں کو بعض گناہوں پر جہنم میں ڈالنے کی) اس طرح وعید سنائی گئی ہے، مثلاً:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾[سورة النساء: ١٠]

''جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے''۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾[سورة

النساء: ۳۰]

جس نے ظلم وزیادتی کرتے ہوئے یہ (گناہ کے) کام کیے تو ہم اسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے''۔[1]

مطلب یہ کہ ان آیات میں بھی مومنوں کے لیے بعض گناہوں کی سزا کے طور پر جہنم میں جانے کا ذکر ہے، اور یہی ذکر فرقوں والی روایت میں ہے اور جس طرح ان آیات سے مراد یہ ہے کہ مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں جائے گا، اسی طرح ان احادیث کا بھی مطلب یہ ہے کہ یہ مختلف فرقوں کے لوگ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے، سوائے اس کے جو ہر لحاظ سے کفر وارتداد کی حدود میں داخل ہو جائے اور ایمان کے دائرہ سے نکل جائے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ ایک اور جگہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان بہتر (۷۲) فرقوں میں سے اگر چہ کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس میں ایک خلق کثیر ایسی موجود نہ ہو جو کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے البتہ ان میں گمراہی اور گناہ موجود ہے جس پر وہ وعید کے مستحق بھی ہیں جیسا کہ مومنوں میں گنہگار وعید کے مستحق ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ انہیں امت ہی میں شمار کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہ ایک بہت بڑا قاعدہ اور اصول ہے جس کی رعایت رکھی جانی چاہیے۔ سنتِ رسولؐ کے ساتھ نسبت رکھنے والے مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جن میں رافضیوں اور خارجیوں کی سی بدعتیں پائی جاتی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان خارجیوں کی بھی تکفیر نہیں کی تھی جنھوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی''۔[2]

مجموع الفتاویٰ میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

''جس شخص نے یہ کہا کہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں سے ہر فرقہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا ہے جو اسے ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے تو اس نے قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہ کی مخالفت کی بلکہ اس نے تو ائمہ اَربعہ اور دیگر ائمہ کی بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے''۔[3]

۱۔ منهاج السنة، ج۵، ص۲۴۸، ۲۴۹۔

۲۔ منهاج السنة، ج۵، ص۲۴۱۔

۳۔ مجموع الفتاوى، ج۷، ص۲۱۸۔

اسی طرح آپ نے مختلف فرقوں کے بارے میں یہی نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے اور ان میں بطورِ مثال معتزلہ، کلابیہ، کرامیہ، تفضیلی شیعہ وغیرہ کا نام لیتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ

((فھؤلاء اھل ضلال و جھل لیسوا خارجین عن امة محمد ﷺ بل ھم من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا))

''یہ گمراہ اور جاہل تو ہیں مگر یہ امت محمدیہؐ سے خارج نہیں ہیں، بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے''۔ [1]

......☆......

۱۔ مجموع الفتاویٰ، ج۱۷، ص۴٤۸۔

خلاصۂ کتاب

گزشتہ صفحات میں اس نازک اور اہم ترین موضوع کے حوالے سے جو کچھ بیان ہوا ہے، آئندہ سطور میں چند نکات کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

ایمان اور اس کے متعلقات

ا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ 'ایمان' ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر انسان کو سارے جہاں کی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایمان کی نعمت و دولت سے محروم رہے تو وہ پھر بھی بدنصیب ہے۔

۲۔ اہل سنت کے علماء، فقہاء اور محدثین (یعنی حنفیہ کے علاوہ جمہور) کی عام رائے یہ ہے کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے یعنی:

ا۔ قول (زبان سے اقرار)،

۲۔ دل کی معرفت اور تصدیق،

۳۔ اعضاء و جوارح سے دینی احکام پر عمل۔

۳۔ مرجئہ فرقے اور فقہائے حنفیہ میں ایمان اور اس کے متعلقات کی بحث میں کچھ ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو حنفی مکتبِ فکر کو مرجئہ کے قریب کرنے کی بجائے اہل سنت کے قریب کرتے ہیں اور اسی لیے بہت سے اہل علم نے حنفیہ اور اہل سنت کے دیگر اہل علم میں ایمان کی تعریف کے سلسلہ میں پائے جانے والے اختلاف کو محض لفظی اختلاف قرار دیا ہے نہ کہ حقیقی اختلاف، اور نتیجہ کے اعتبار سے انہیں اور دیگر اہل سنت کو قریب قریب ہی قرار دیا ہے۔

۴۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک عمل کا تعلق ایمان کے ساتھ اس طرح کا ہے کہ عمل کی بعض صورتوں کی موجودگی میں یا بعض کی عدم موجودگی میں ایمان بالکل ختم ہو جاتا ہے، جبکہ بعض میں ایمان ختم نہیں ہوتا، البتہ کبیرہ گناہ لازم آتا ہے اور بعض میں کبیرہ گناہ بھی لازم نہیں آتا، البتہ فضیلت و استحباب کی حد تک

اس کا اثر واقع ہوتا ہے۔

۵۔درج ذیل چھ چیزیں متفقہ طور پر ارکانِ ایمان کہلاتی ہیں:

۱۔اللہ پر ایمان،

۲۔اس کے فرشتوں پر ایمان،

۳۔اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان،

۴۔اس کے رسولوں پر ایمان،

۵۔آخرت کے دن پر ایمان،

۶۔اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان۔

۶۔ایمان اور اسلام، دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماءِ اہل سنت کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں: ایک یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے اور دوسری رائے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے استعمال ہوں تو پھر ان میں اختلاف ہوتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ان سے ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جب ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ایمان سے مراد وہ عقائد (معتقدات) ہوتے ہیں جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسلام سے مراد وہ ظاہری اعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر اہل سنت کا یہی موقف ہے۔

۷۔کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں اہل سنت کا موقف خوارج اور مرجئہ کے موقف کے درمیان ہے اور وہ یہ کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو کافر ہوتا ہے (جیسا کہ خوارج کی رائے ہے) اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کبھی جہنم میں نہ جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے ہٹ دھرمی سے حلال قرار نہ دیتا ہو۔

کفر اور مکفرات

۸۔اصطلاحی طور پر 'کفر' کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں، ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسا مشترک نکتہ بیان کیا جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو، تو وہ یہی ہے کہ ''کفر ایمان کی ضد ہے''، خواہ یہ شرک

کی صورت میں ہو، یا نفاق اکبر کی صورت میں یا کسی اور صورت میں۔ اب جس صاحبِ علم کے نزدیک جو چیز ایمان ہے، اس کی ضد اس کے نزدیک کفر قرار پائے گی۔

۹۔ اہل علم نے کفر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔ کفر اکبر سے مراد کفر کی وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے اس صورت کو **مخرج من الملة** (یعنی ملت سے خارج کر دینے والا) کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقضِ ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔ جن احادیث میں ان گناہوں پر کفر یا نفاق کا لفظ بولا گیا ہے، ان میں کفر اور نفاق سے کفر اصغر اور نفاق اصغر ہی مراد لیا گیا ہے۔

۱۰۔ نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

۲۔ وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

۳۔ اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

۱۱۔ کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم 'کفر عناد' یا 'کفر استکبار' کہتے ہیں۔

۲۔ اور اگر حق کا علم ہی نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو 'کفر تکذیب' اور 'کفر جہل' کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو 'کفر جحود' کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے 'کفر نفاق' کہا جاتا ہے۔

کفر اعتقادی (اعتقادی نواقض/اعتقادی مکفرات) کی بنیادی صورتیں

۱۲۔ اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی کی بنیادی صورتیں یہ ہیں کہ

۱۔ اللہ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے۔

۲۔ یا وجودِ باری تعالیٰ تسلیم تو کیا جائے مگر اس طرح اور ان صفات وافعال کے ساتھ نہیں جیسے اور جس طرح قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا اللہ کی صفات وافعال کا انکار کفر ہے۔

۳۔ یا اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ شرک خواہ اس کی ذات میں ہو، صفات میں ہو یا عبادات میں۔

۱۳۔ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔ اُن سچے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو دل سے تسلیم نہ کیا جائے کہ جن کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً جس طرح یہودی اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ یا اللہ کی طرف سے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری نبیوں اور رسولوں کو سونپی گئی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے وہ پیغام اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا، اس پیغام کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا کلی یا جزوی طور پر انکار کرنا، جیسا کہ ان کے دور میں کافر لوگ کیا کرتے تھے۔

۳۔ یا نبی کریم ﷺ کے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا۔ یا نئے نبی کی ضرورت اور امکان کا عقیدہ رکھنا یا نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نبی و رسول سمجھنا۔

۴۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھنا یا آپ کی پسند سے نفرت کرنا بھی کفر اعتقادی میں شامل ہے۔

۱۴۔ اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔ جن کتابوں کے بارے میں قرآن وسنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے منزل شدہ ہیں، انہیں سرے سے منزل شدہ تسلیم نہ کرنا۔

۲۔ یا ان میں سے جن میں تحریف کا ثبوت خود قرآن نے دیا ہے، انہیں تحریف سے پاک سمجھنا۔

۳۔ یا قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا۔

۴۔ یا قرآن مجید کی ایک آیت یا بعض آیات کا انکار کرنا، یا قرآن مجید کو ناقص اور محرف شدہ کتاب سمجھنا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر پر ایمان نہ رکھنا۔

۵۔یا قرآن کی کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنا۔

۱۵۔قرآن وسنت کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو دل سے تسلیم نہ کرے جسے قرآن وسنت میں بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً ملائکہ (فرشتوں)، یا جنات وشیاطین کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ یا آخرت اور جنت وجہنم وغیرہ سے متعلقہ امور میں سے کسی بدیہی (یقینی اور واضح طور پر ثابت شدہ) چیز کو تسلیم نہ کرے۔ یا تقدیر کے اسلامی عقیدے کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے۔ ان چیزوں کا انکار اس لیے کفر ہے کہ یہ قرآن وسنت کے قطعی دلائل (نصوص) کو تسلیم کرنے سے انکار کے مساوی ہے!

۱۶۔احکامِ شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔انسان شریعت کے واجبات اور فرائض کو واجبات وفرائض تسلیم نہ کرے مثلاً ارکان اسلام جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کو یا ان میں سے کسی بھی ایک چیز کو ضروری نہ سمجھے۔ اسی طرح اسلامی شریعت میں جس چیز کو واضح طور پر حلال کہا گیا ہے، اسے وہ حلال نہ مانے اور جسے قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، اسے حرام ماننے سے انکار کرے۔

۲۔اپنے یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے دین وشریعت پر عمل اور نبی کریمؐ کی اطاعت کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۷۔نفاقِ اکبر (یعنی اعتقادی نفاق) بھی کفر اعتقادی ہے اور نفاقِ اکبر یا اعتقادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایمان نہ ہو بلکہ کفر ہو مگر ظاہری اعمال واقوال سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرے۔ نفاق کا تعلق اگرچہ باطن کے ساتھ ہے، تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ظہور سے کسی کے نفاق کا شبہ ہوتا ہے، اسی لیے ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر بھی کہا جاتا ہے، مثلاً جیسے:

۱۔دین اسلام پر طنز وتشنیع کرنا۔

۲۔نبی کریم ﷺ یا آپ کی حدیث وسنت کے ساتھ طنزیہ انداز اختیار کرنا مگر مبہم طریقے سے۔

۳۔مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا اور مسلمانوں کی بجائے کافروں سے دوستی رکھنا۔

۴۔کافروں اور غیر مسلموں کے کفر میں بلاوجہ شک وشبہ کرنا۔

ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین انہی چیزوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔

۱۸۔ دین کی کسی بھی ثابت شدہ اور قطعی و یقینی بات میں شک کرنا بھی کفر ہے، خواہ اس بات کا تعلق عقائد (ارکان ایمان) سے ہو یا ارکان اسلام سے یا دیگر شرعی احکام سے۔ شک سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ ایمان کہتے ہی اس حالت کو ہیں جس میں اتنا یقین پایا جائے کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔

۱۹۔ بہت سے اہل علم نے کافر کے کفر میں شک کرنے کو بھی اعتقادی مکفرات میں شمار کیا ہے۔

۲۰۔ کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے مرتکب کے ساتھ قانونی طور پر وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ البتہ ان پر کفر وارتداد کا حکم لگانے سے پہلے ان پر حجت قائم کی جائے گی، پھر ان سے توبہ کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور اگر یہ اپنے کفر پر مصر رہیں تو بالآخر انہیں قتل کی سزا دی جائے گی اور اس سزا کا اختیار ایک بااختیار اسلامی حکومت کو ہے، کوئی فرد یا جماعت اپنے طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی مجاز نہیں ہے۔ اور اگر کفر اعتقادی ثابت اور ظاہر نہ ہو تو پھر یہ نفاق کی طرح ہے اور اللہ کے ہاں ایسا شخص ضرور جہنم سزا کا مستحق ہے، البتہ ایک اسلامی حکومت میں اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ شریعت میں ظاہر کا اعتبار کرنے پر زور دیا گیا ہے، باطن کا نہیں۔

۲۱۔ یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اصل چیز اعتقادی کفر ہی ہے۔ قولی اور عملی طور پر کفر کا اظہار بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب دل میں کفر موجود ہو۔ اگر دل میں کفر نہ ہو تو پھر قول وفعل سے کفر کا ظہور عام طور پر یا تو غلطی سے ہوتا ہے، یا تاویل سے یا جہالت سے یا ایسے ہی کسی اور عذر سے۔

قولی مکفرات/قولی نواقض کی بنیادی صورتیں

۲۲۔ کفر قولی سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی بھی کفریہ عقیدہ کے بارے میں صاف اعتراف کر لے کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں مثلاً کوئی صاف یہ اقرار کرتا ہو کہ میں کسی رب کو نہیں مانتا، یا کسی نبی اور رسول (نبوت ورسالت) کے عقیدہ کو نہیں مانتا، یا کسی شریعت اور

دین کی ضرورت نہیں سمجھتا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ کفرِ قولی کا مرتکب قرار پاتا ہے، خواہ ایسا وہ تکبر و عناد کی وجہ سے کہے یا کسی اور وجہ سے۔

۲۳۔ اگر کوئی شخص اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دیتا ہے تو وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے اور یہ بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

۲۴۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو واضح طور پر گالی دیئے بغیر طنز و تشنیع اور استہزا کرنا بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

عملی مکفرات / عملی نواقض کی بنیادی صورتیں

۲۵۔ عملی مکفرات سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی چیز کا اپنے فعل و عمل سے ارتکاب اور اظہار کرے۔ مثلاً شرکیہ عقیدہ کفر ہے، اسی طرح عملی طور پر شرک کرنا بھی کفر کہلاتا ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت، شریعت، نبی کریم ﷺ اور اسلامی شعائر کے ساتھ دل میں بغض اور نفرت رکھنا کفر ہے، اور اپنے عمل سے یعنی طنز و تشنیع وغیرہ کے ذریعے اس کا اظہار کرنا عملی کفر ہے۔ اسی طرح اپنے عمل سے اگر کوئی شخص دین کا مذاق اڑائے تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔

۲۶۔ عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض اعمال اور افعال وہ ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے، ان میں شرک، دین و شریعت اور قرآن و سنت کی توہین، نبی کریم ﷺ کو ایذا دہی وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں۔

۲۷۔ عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض وہ نس شامل ہیں جن کے چھوڑنے سے کفر لازم آتا ہے، ان کی حد بندی میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک چیز جس پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین و شریعت پر عمل کرتا ہی نہیں تو یہ ایسا کفر ہے جس کی موجودگی میں کلمے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے دین سے 'کلی اعراض' بھی کہا جاتا ہے۔

۲۸۔ اگر کوئی شخص کلی طور پر دین و شریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر ارکانِ اربعہ (یعنی نماز، روزہ، زکاۃ، حج) کو چھوڑتا ہے اور ان کا زبان سے انکار بھی نہیں کرتا، تو کیا وہ

بھی کفرا کبر کا مرتکب قرار پائے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں علماءِ اہل سنت کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کفرا کبر ہے اور بعض کے نزدیک یہ کفرا کبر نہیں ہے۔ ان دونوں میں سے کفرا کبر والی رائے اختیار کرنے کو نہ 'تکفیر یت' یا 'خارجیت' کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کفرا کبر نہ کہنے کی رائے اختیار کرنے کو 'اِرجاء' اور 'مرجئت' کا الزام دیا جا سکتا ہے۔

۲۹۔ دین و شریعت کے مطابق فیصلہ اور حکم و قانون نافذ نہ کرنا بعض صورتوں میں کفر ہے اور بعض میں کفر نہیں ہے۔ جن صورتوں میں اسے کفر قرار دیا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کے حکم کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی دنیوی قانون اور نظام کو اس سے بہتر سمجھے۔ اور اس کے پیچھے جو مرضی سوچ کارفرما ہو، خواہ یہ سوچ کارفرما ہو کہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں کوئی دنیوی قانون اس سے زیادہ بہتر اور انسانی مفادات کا زیادہ محافظ ہے، یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے اس میں زیادہ فوائد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یا اس کے نزدیک حکم اللہ (شریعت کا قانون) اور غیر حکم اللہ (خلافِ شریعت قانون) دونوں مساوی ہوں یعنی دونوں کو وہ قانونی حیثیت دینے کے لیے تیار ہو، بعض قوانین و احکام شریعت سے لے لے اور بعض دیگر انسانی دساتیر سے۔ اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے میں مکس اور خلط ملط کر لے۔ یا غیر اللہ کے حکم کو بہتر تو نہ سمجھتا ہو مگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ بعض مسائل میں غیر اللہ کے حکم کو قانونی درجہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے صریح منافی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ سب کفرا کبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس کے علاوہ باقی صورتوں کو کفرا کبر قرار نہیں دیا جائے گا جن میں خواہشاتِ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر، یا کسی مادی غرض کی خاطر، یا کسی کی دوستی یا دشمنی کے پیش نظر یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے شریعت کے خلاف فیصلہ، قانون یا حکم نافذ کیا جائے اور اسے اپنی غلطی بھی تسلیم کیا جا رہا ہو تو یہ فسق اور ظلم وغیرہ کی صورتیں ہیں۔

ضوابطِ تکفیر

۳۰۔ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس لیے کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ خود اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھانے اور دوسروں پر تکفیر کے فتوے جاری کرنے کی بجائے اسے امت کے جید اور کبار علماء کے سپرد کر دینا چاہیے۔

۳۱۔ اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسن ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔ جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں کفر ہے، تو ہم اس پر شک نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے کافر ہونے کا حکم لگائیں گے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جائے گا اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔

۳۲۔ اگر کسی شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کر دی جائے گی کہ اس سے کفر ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس کی ظاہری حالت اس کی تکفیر کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ خیال کیا جائے گا کہ اس سے غلطی سے یا جہالت سے یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہوگا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے، یقین نہیں جب کہ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے، شک نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح دی جائے گی۔

۳۳۔ مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی
۲۔ خطا اور غلطی
۳۔ تاویل
۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

لہٰذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چاروں چیزوں کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا، اگر کوئی شخص ان چار حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ صریح کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔

۳۴۔ عمل کفر اور کافر میں فرق کیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص عمل کفر کا مرتکب ہو تو ضروری نہیں کہ اس عمل کی وجہ سے وہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے یا اس پر کافر کا فتویٰ لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اس نے یہ عمل جہالت کی وجہ سے کیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی تاویل کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے اس سے کفریہ عمل سرزد ہوا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اکراہ اور جبر کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہو۔ اوران چاروں صورتوں یعنی جہالت، تاویل، غلطی اور اکراہ میں کسی شخص پر کفریہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے بہت سے اہل علم یہ بات بیان کرتے ہیں کہ عمل کفر اور کافر میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کفریہ قول یا فعل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ سراسر غلط ہے۔

۳۵۔ تکفیر شخصی (تکفیر معین) میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور جب تک نفس مسئلہ کا اور کفر کے مرتکب کی صورت حال کا پوری طرح علم نہ ہو جائے اور یہ واضح طور پر معلوم نہ کر لیا جائے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تو تب تک اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایسے سبب کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو ایسی صورت میں اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔

۳۶۔ تکفیر کے سلسلہ میں یہ بھی غلط رویہ ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لے اور جسے اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ اگر کسی شخص یا گروہ کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

۳۷۔ کسی شخص پر کافر کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دے یا اسے قتل

کردے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کافر قرار پاتا ہے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے اور اس سے حاکم وقت توبہ کا مطالبہ کرے گا اور اسے مہلت بھی دے گا۔ لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو حکومت وقت ہی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اسے قتل کی سزا دے۔ حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگر چہ علماء کی اجتماعیت کی طرف سے دیا جاچکا ہو، درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خوارج کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ایک تو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسرا یہ کہ جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔

ضمیمۂ کتاب

العقیدة الطحاویة [مع الشرح: لابن ابی العزؒ]

(متعلقہ مباحث کا ترجمہ)

اس حصے میں ہم سنی موقف کی اہم ترین نمائندہ کتاب یعنی 'عقیدہ طحاویہ' سے اس حصے کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جس میں عقائد کی بحث میں سے ایمان اور کفر کی حدود و قیود اور آداب و ضوابط کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس میں عقائد کے حوالے سے وہی موقف بیان کیا گیا ہے جو علماء اہل سنت کے ہاں تقریباً متفق علیہ ہے، البتہ جہاں کہیں جزوی اختلاف ہے، اس کی وضاحت اور تشریح یا دونوں طرح کی اختلافی آراء کے دلائل اس کتاب کے شارح علامہ ابن ابی العزؒ نے اس کی شرح میں احسن طریقے سے ذکر کر دیئے ہیں۔

یہ کتاب اور اس کی یہ شرح جسے ہم نے منتخب کیا ہے، دونوں ہی اس لحاظ سے اہم ہیں کہ دونوں کے مؤلف حنفی مذہب سے نسبت رکھتے ہیں مگر جتنا یہ حنفی مذہب سے نسبت رکھتے ہیں، اتنا ہی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ان دونوں (یعنی کتاب اور اس کی شرح) کو ایک طرف (عرب میں) سلفی اور دوسری طرف (ہند میں) اہلحدیث مکتبِ فکر کے ہاں اہمیت دی جاتی اور مدارس میں اعلیٰ درجہ کی کلاسوں میں اسے سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ بھی اس سے یکساں استفادہ کرتے ہیں۔

اس کتاب یعنی عقیدہ طحاویہ کے مصنف علامہ ابوجعفر طحاویؒ کے بارے میں ماضی قریب کے معروف سلفی عالم دین اور محدث جناب ناصر الدین البانیؒ بیان فرماتے ہیں:

''امام ابوجعفر طحاوی حنفیؒ (م ۳۲۱ھ) کا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور اس بات پر امت کے جلیل القدر علماء کے پیروکاروں کا اتفاق ہے کیونکہ امام طحاویؒ کا عقیدہ اس عقیدے سے مطابقت رکھتا ہے جو صدیوں سے اس امت کے علماء مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام

شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے پیروکاروں کی اکثریت کا عقیدہ رہا ہے۔ اور یہ وہی عقیدہ ہے جسے امام ابوالحسن اشعریؒ نے آخری عمر میں اختیار کر لیا تھا۔ اس عقیدے سے وہی شخص اختلاف کر سکتا ہے جس کے دل میں اعتزال یا جہمیت کی محبت اور سنت سے ضد اور عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہو"۔ [کتاب مذکور، ص۱۰]

اس کتاب کے شارح یعنی ابن ابی العزؒ (م۷۹۲ھ) حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور انہوں نے باوجودیکہ حنفی تھے، علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ سے عقائد کے مباحث میں بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اور ان کے ہاں تقلید و جمود کی وہ صورت بالکل دکھائی نہیں دیتی جو مختلف فقہی مسالک سے وابستہ اہل علم میں بعض اوقات نظر آتی ہے۔

علامہ البانیؒ کے شاگرد اور موجود نسخہ جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، کے محقق و مصحح جناب زہیر شاویش اس کتاب اور اس پر ابن ابی العزؒ کی اس شرح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس عقیدے (یعنی کتاب عقیدہ طحاویہ) نے علماء کے ہاں بہت زیادہ پذیرائی حاصل کی اور علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس کی شروحات لکھیں، اور ان شروحات میں سے سب سے اچھی اور مشہور شرح یہی (ابن ابی العزؒ کی) ہے۔ کیونکہ شارح نے اس کی شرح میں سلف کے عقیدہ کو بڑے عمدہ طریقے اور اچھے اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شارح نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ کی کتابوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے مگر ان کا حوالہ نہیں دیا، ہو سکتا ہے کہ اس میں ان کے لیے کوئی مجبوری ہو"۔ [کتاب مذکور، ص۶]

آئندہ صفحات میں ہم ڈبے (Box) کے اندر عقیدہ طحاویہ کے متن سے اپنے موضوع سے متعلقہ حصہ کا ترجمہ ذکر کریں گے اور ڈبے سے نیچے اس کی شرح کا ترجمہ پیش کریں گے۔ ہمارے سامنے: **العقیدة الطحاویة مع شرح ابن ابی العزؒ** (ص۳۱۲ تا ۳۸۶)، کا وہ نسخہ رہا ہے جو **المکتب الاسلامی، بیروت**، نے علامہ البانیؒ کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ ترجمہ کے دوران تکرار اور بعض غیر ضروری مباحث کو طوالت کے خوف سے ہم نے حذف کر دیا ہے۔ اور ہر ایسی جگہ پر چند نکات یعنی...... کی علامت دے کر اس کی نشاندہی کر دی ہے۔ امید ہے کہ یہ ضمیمہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اردو دان طبقہ کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ البتہ

تفصیل کا شوق رکھنے والے قارئین سے ہم یہ درخواست ضرور کریں گے کہ وہ عقائد وایمانیات سے متعلقہ مباحث کے لیے اصل کتاب کو ملاحظہ کریں اور یہ پوری کتاب (یعنی شرح العقیدۃ الطحاویۃ :لا بن ابی العزؒ) اس لائق ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

''ہم تمام اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہر اس چیز کا اعتراف کرتے رہیں جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اس کی تصدیق بھی کرتے رہیں''۔

تمام اہل قبلہ مسلمان ہیں

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا پس وہ مسلمان ہے، اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) حاصل ہیں اور اس کے ذمہ وہی فرائض عائد ہوں گے جو ہمارے ذمہ ہوتے ہیں''۔ [بخاری، کتاب الصلاۃ]

امام طحاویؒ یہاں اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور مسلمان کسی گناہ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ کو حلال کرنے والا نہ ہو۔ اور آپ نے جو یہ 'اہل قبلہ' کا جملہ استعمال کیا ہے، اس سے آپ کی مراد وہ شخص ہے جو اسلام کا دعویٰ کرنے والا ہو، کعبہ کی طرف (نماز کے وقت) منہ کرنے والا ہو، اگر چہ وہ اہل الاہواء (گمراہ فرقوں) میں سے ہو یا گنہگاروں میں سے ہو، البتہ وہ اس چیز کی تکذیب کرنے والا نہ ہو جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔......

''ہم اللہ کے بارے میں غور وخوض نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں''۔

فلسفیانہ بحثوں سے اجتناب

یہاں شیخ طحاویؒ متکلمین کی باطل بحثوں سے باز آنے اور ان کے علم کی مذمت کرنے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر کسی یقینی دلیل کے بحثیں کرتے ہیں۔......

''ہم قرآن کے بارے میں بھی جھگڑا نہیں کرتے اور ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ قرآن اللہ رب العالمین کا کلام ہے جسے روح الامین جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے قرآن سکھایا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے مخلوق میں سے کسی کا کلام اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ہم قرآن کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ یہ مخلوق ہے اور نہ ہی ہم اس مسئلہ میں مسلمانوں کی جماعت (اجتماعیت) کی مخالفت کرتے ہیں۔
اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے جب تک کہ وہ گناہ کو حلال قرار نہ دیتا ہو اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ بھی نقصان نہیں پہنچاتا''۔

اہل قبلہ (مسلمانوں) کی تکفیر کا مسئلہ

...... یہاں شیخ طحاویؒ نے اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ لیے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ ''ہم اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہر اس چیز کا اعتراف کرتے رہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس کی وہ تصدیق بھی کرتے رہیں''۔ اور اس کے ساتھ شیخ طحاویؒ خوارج کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کی ہر گناہ کے ساتھ تکفیر کرتے ہیں۔

اللہ ہم سب پر رحم کرے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تکفیر اور عدم تکفیر کا مسئلہ ایسا ہے جس سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوا، لوگوں کے اس مسئلہ کی وجہ سے کئی فرقے بن گئے اور اس میں عجیب وغریب نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اور ایک دوسرے کے خلاف دلائل کی بھرمار ہوئی۔

جو لوگ گمراہ کن باتیں کرتے ہیں اور ایسے فاسد عقائد رکھتے ہیں جو اس دین حق کے صریح خلاف ہیں جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے، ان کی تکفیر اور ان لوگوں کی تکفیر کے بارے میں جو عملی طور پر کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، لوگ یا تو ایک انتہا پر ہیں یا دوسری انتہا پر اور کچھ لوگ اس مسئلہ میں اعتدال پر ہیں۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے۔ گویا انہوں نے تکفیر کی بالکل نفی کر دی حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ اہل قبلہ میں ایسے منافق بھی ہوتے ہیں جو قرآن، سنت اور اجماعی مسائل میں یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر کافر ہوتے ہیں اور ان منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں

کہ جب انہیں موقع ملتا ہے وہ اپنی خباثت کا اظہار بھی کرتے ہیں جب کہ بظاہر وہ شہادتین کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی آدمی ان واجبات و فرائض یا محرمات وغیرہ کی خلاف ورزی کرے جو بالکل ظاہر اور متواتر کے درجہ میں ثابت ہیں تو اس سے توبہ کرائی جائے گی، وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے کافر و مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔

نفاق اور ارتداد کا گمان وہاں ہوتا ہے جہاں بدعات اور گناہ دکھائی دیں جیسا کہ امام خلال اپنی کتاب السنۃ میں سند کے ساتھ محمد بن سرین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''ارتداد سب سے جلدی خواہش پرست لوگوں میں پایا جاتا ہے''۔ اور ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾[سورۃ الانعام: ٦٨]

''جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں کلام کرتے ہیں تو ان سے بے رخی کر لیجیے حتی کہ وہ کسی اور بحث میں مشغول ہو جائیں''۔

بہت سے اہل علم نے اس طرح کہنے سے منع کیا ہے کہ ''ہم کسی بھی گناہ کی وجہ سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیتے''۔ البتہ اس کی بجائے اہل علم نے کہا ہے کہ اس طرح کہنا چاہیے کہ ''ہم ہر گناہ کی بنیاد پر تکفیر نہیں کرتے''۔ جیسا کہ خوارج کی عادت ہے۔

ان دونوں جملوں میں وہ فرق ہے جو نفی عام اور نفی عموم کے درمیان پایا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں ضروری ہے کہ نفی عموم والی رائے اختیار کی جائے تاکہ خوارج کا بھی رد ہو سکے جو ہر گناہ کے مرتکب پر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ اسی لیے شیخ طحاویؒ نے اپنی عبارت میں یہ قید لگائی ہے کہ ''جب تک کہ وہ (گنہگار) گناہ کو حلال قرار نہ دیتا ہو (ہم اسے کافر نہیں کہیں گے)''۔

اسی طرح شیخ طحاویؒ نے جو یہ کہا کہ ''اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ بھی نقصان نہیں پہنچاتا......''۔ اس سے دراصل وہ مرجئہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان موجود ہو تو کسی طرح کا گناہ انسان کو نقصان نہیں دیتا جس طرح کفر موجود ہو تو کسی طرح کی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔

یہ لوگ بھی ایک دوسری انتہا پر ہیں، جس طرح خوارج ایک انتہا پر ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ہر گناہ یا (کم از

کم) ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہیں گے اور اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ساتھ ایمان کا کلی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خوارج تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا اور کفر میں داخل ہو جاتا ہے جب کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ دونوں درجوں کے درمیان معلق رہتا ہے، البتہ ایمان سے چونکہ یہ نکل جاتا ہے اس لیے جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

متکلمین، فقہاء اور محدثین میں سے بعض لوگ اعمال میں (کبائر کے مرتکب کے بارے میں) یہ بات نہیں کہتے (جو خوارج وغیرہ کہتے ہیں)، البتہ عقیدے کی بدعتوں کے مرتکب کے بارے میں وہ تکفیر کی بات کرتے ہیں، خواہ کوئی تاویل کی بنیاد پر غلطی کر رہا ہو۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا جو ...ی بات کہے (جو عقائد کے لحاظ سے بدعت ہو) اور اس سلسلہ میں اجتہاد سے غلطی کرنے والے اور غلطی نہ کرنے والے کے درمیان یہ فرق نہیں کرتے، یا پھر یہ کہتے ہیں کہ (عقائد میں) ہر بدعتی کافر ہے۔

لیکن اس طرح کہنے سے کئی ایک بڑے مسئلے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کئی ایک ایسی متواتر احادیث ہیں جو اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوا وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ اسی طرح وہ تمام دلائل جو (گنہگار ایمان والوں کے لیے جنت کے) وعدے سے متعلق ہیں اور جن سے یہی لوگ استدلال بھی کرتے ہیں، یہ دلائل ان دلائل سے ٹکراتے ہیں جو (گنہگار کے لیے ہمیشہ جہنم میں رہنے کی) وعید کے بارے میں ہیں اور جن سے دوسرے لوگ (جو ہر گناہ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں) استدلال کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی، کچھ بحث وہاں بھی آئے گی جہاں شیخ طحاویؒ نے کہا ہے کہ "اہل کبائر ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائیں گے بشرطیکہ وہ توحید پر مرے ہوں"۔

یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ بدعات بھی اسی (کبائر کی) قسم سے ہیں۔ مومن بعض اوقات ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مومن ہوتا ہے لیکن وہ تاویل میں غلطی کر جاتا ہے یا تو یہ غلطی اجتہاد کی بنیاد پر ہوتی ہے یا گناہ کی بنیاد پر، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شخص کا ایمان محض اس غلطی کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے، الا یہ کہ اس کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو، ورنہ یہ ایسے ہی ہے جیسے خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تکفیر کی ہی نہیں جا سکتی، بلکہ عدل ان دونوں کے درمیان میں ہے اور وہ یہ ہے کہ

"ہر وہ قول جو بدعت ہو، حرام ہو اور اس سے کسی ایسی چیز کی نفی ہوتی ہو جسے پیغمبر ﷺ نے ثابت قرار دیا ہو، یا اس چیز کا ثبوت ہوتا ہو جس کی پیغمبر ﷺ نے نفی کی ہے، یا اس چیز کا حکم لازم آتا ہو جس کی ممانعت

کی گئی ہے یا اس چیز کی ممانعت ہوتی ہو جس کا حکم دیا گیا ہے تو اس میں حق بات کہی جائے گی اور (جہنم کی) اس وعید کو بیان کیا جائے گا جو دلائل سے ثابت ہے اور اس کے بارے میں صراحت سے کہا جائے گا کہ یہ کفر ہے اور یہ بھی کہا جائے گا کہ جو اس کا مرتکب ہو وہ کافر ہوگا وغیرہ وغیرہ۔''......

تکفیر مطلق اور تکفیر معین کا مسئلہ

البتہ اگر کسی معین شخص کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اسے ان لوگوں میں شمار کرتے ہو جن کے بارے میں (جہنم کی) وعید ہے اور کیا تم کہتے ہو کہ یہ کافر ہے؟ تو یہ بات ہم اس کے بارے میں اس وقت تک نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ حالت ہمارے سامنے نہ ہو جس میں ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ اس لیے اس سے بڑی تہمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی شخص معین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اللہ اس کی بخشش نہیں کرے گا، اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے ہمیشہ جہنم میں رکھے گا۔ یہ تو کافر کا حکم ہے جو اس پر اس کے (حالتِ کفر ہی میں) مرنے کے بعد لگایا جاتا ہے۔ اسی لیے امام ابوداؤد نے اپنی سنن کی 'کتاب الآداب' میں یہ باب قائم کیا ہے: ''تہمت کی ممانعت کا بیان''۔ اور اس میں انہوں نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ۔ ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آدمی (بعض دفعہ) ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر بیٹھتا ہے''۔ یہ حدیث حسن

درجہ کی ہے۔

تکفیر کے موانع اور شرائط وضوابط

دراصل ایک معین شخص کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ وہ (کسی کفریہ کام میں) اجتہادی غلطی پر ہو اور اس طرح وہ غلطی اس کے لیے قابل معافی ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں دلائل اس تک پہنچے ہی نہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ (اس غلطی کے باوجود) اس کا ایمان اور نیکیاں اتنی عظیم ہوں کہ اسی سبب وہ اللہ کی رحمت کا مستحق بن جائے جیسا کہ اس شخص کی بخشش ہوگئی تھی جس نے (اپنی اولاد سے) کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور (میری راکھ) ہوا میں اڑا دینا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اس لیے کہ وہ اللہ سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ اس کے ساتھ وہ یہ گمان بھی رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس (کی لاش کے اجزا) کو جمع کرنے اور اسے پھر سے لوٹانے کی قدرت نہیں رکھتا یا وہ اس سلسلہ میں شک میں مبتلا تھا لیکن آخرت کے سلسلہ میں یہ توقف اس بات سے ہمیں منع نہیں کرتا کہ ہم دنیا میں اس کو سزا نہ دیں، یا اسے اس کی بدعت سے نہ روکیں یا اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کریں اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے قتل کی سزا نہ دیں۔

جب کوئی قول فی نفسہٖ کفر ہو تو کہا جائے گا کہ یہ کفر ہے اور اس کے قائل پر کافر ہونے کا فتویٰ کفر کی شرائط اور موانعِ تکفیر کی عدم موجودگی میں لگایا جائے گا اور یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی شخص منافق اور زندیق ہو جائے۔ اس لیے اہل قبلہ میں سے کسی ایسے شخص کے بارے میں کفر کے فتویٰ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کا اظہار بھی کرتا ہو، ہاں الا یہ کہ وہ منافق اور زندیق ہو۔ قرآنِ مجید میں اسی چیز کی وضاحت موجود ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک قسم وہ جو کافر ہیں، یہ خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شہادتین کا بھی اقرار نہیں کرتے۔ دوسری قسم وہ ہے جو ظاہراً اور باطناً مومن ہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرتی ہے مگر باطنی طور پر نہیں۔ [یعنی منافق] یہ تینوں قسمیں سورۃ البقرۃ کے شروع میں مذکور ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کافر ہے جبکہ وہ شہادتین کا بھی اقرار کرتا ہو تو وہ ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جو زندیق ہے اور زندیق ہی اصل منافق ہے۔

یہاں (مسئلہ تکفیر میں) دونوں انتہاؤں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ پس جس نے ہر اس شخص کو کافر کہا جو

عقائد میں بدعت کی بات کرے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ ایسے لوگوں کی بھی تکفیر کر رہا ہے جو باطناً منافق نہیں ہیں بلکہ دل سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں، اگرچہ اس کے ساتھ ان سے گناہ بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کے غلام اسلم حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جسے حمار (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے، پھر وہ ایک دن (اسی جرم میں پکڑ کر) لایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے اسے پھر کوڑے لگائے گئے۔ [جب ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا] تو حاضرین میں سے کسی شخص نے [غصہ میں] آ کر کہا:

((اَللّٰھُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ))

''اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے!''

((فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَلْعَنْهُ [فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ] اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے......!''

اس بات میں قطعی کوئی شک نہیں کہ بہت سے گروہ اور بڑے بڑے اہل علم اور متدین حضرات اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں (کلی طور پر نہیں، البتہ جزوی طور پر) کئی غلط باتیں یا تو جہمیہ سے آئی ہوتی ہیں، یا مرجئہ سے، یا قدریہ سے یا شیعہ سے یا خارجیوں سے، البتہ یہ لوگ ان غلط (بدعتی) باتوں سے کلی طور پر متاثر و مرتکب نہیں ہوتے بلکہ جزوی طور پر ہوتے ہیں اور اسی لیے ان اہل الاہواء (خواہش پرست گمراہ) لوگوں کو ان معروف ائمہ سلف میں سے کسی کی طرف اپنے انتساب کا موقع مل جاتا ہے۔

اہل بدعت کے عیوب میں سے ایک یہ عیب ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی تکفیر کرتا ہے جبکہ اہل علم کی قابل تعریف باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسروں کو خطاکار تو کہتے ہیں مگر کافر نہیں کہتے۔

کفر اکبر اور کفر اصغر: ایک اشکال

یہاں ایک اشکال اب بھی باقی ہے، وہ یہ کہ شریعت میں بعض گناہوں پر کفر کا لفظ بولا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [سورة المائدة: ٤٤]

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں''۔

اور بخاری و مسلم کی ابن مسعودؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے''۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو''۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے، میں ہے: ''جس نے اپنے مسلمان بھائی سے کہا: اے کافر! تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہے''۔

ابن عمرؓ ہی سے مروی بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (اور وہ چار چیزیں یا خصلتیں یہ ہیں): (۱) جب امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرنا۔ (۲) بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا۔ (۳) وعدہ کر کے اسے پورا نہ کرنا۔ (۴) جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ کرنا''۔

ایک حدیث میں ہے: ''زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا اور توبہ اس کے بعد پیش آتی ہے''۔

اسی طرح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے''۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی، اور جس نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا تو ان (دونوں) نے اس چیز کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے''۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا''۔ حاکم نے یہ روایت کی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری امت میں دو باتیں کفر کی ہیں: ایک نسب میں طعن کرنا اور دوسری میت

پرنوحہ کرنا ہے''۔اسی طرح کی اور کئی مثالیں ہیں۔

گزشتہ اشکال کا جواب

اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کفرنہیں کر رہا ہوتا جو اسے ملت مسلمہ سے کلی طور پر نکال دینے والا ہو، برخلاف اس کے جو خوارج کی رائے ہے،[خوارج کبیرہ گناہ کے مرتکب کو خارج عن الملۃ کافر قرار دیتے ہیں] کیونکہ اگر اس شخص کا کفر اسے ملت سے خارج کر دے تو وہ تو مرتد قرار پائے اور ہر حال میں اسے قتل کی سزا دی جائے اور اس سے (قتل کے گناہ کی صورت میں) مقتول کے ولی سے معافی کا راستہ بالکل ختم ہو جائے،اسی طرح زنا، چوری، شراب خوری وغیرہ کی صورتوں میں بھی اس پر (قتل کے علاوہ) حدود جاری ہی نہ کی جا سکیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور دین اسلام کے صریح خلاف ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان اور اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور نہ ہی وہ کافروں کی طرح ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے [کہ یہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے]۔معتزلہ کی یہ رائے بالکل باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن ہی کہا ہے۔ [دیکھیے: سورۃ البقرۃ:۱۷۸۔سورۃ الحجرات: ۹،۱۰۔]......

اسی طرح قرآن وسنت کے دلائل اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ زانی، چور اور تہمت لگانے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر حد قائم کی جائے گی، جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص (ان کبائر کے ارتکاب کے باوجود) مرتد نہیں ہے۔......

معتزلہ اور خوارج کا اخروی معاملات کے لحاظ سے اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا، لیکن (دنیوی حکم کے اعتبار سے) خوارج کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ہم کافر کہیں گے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ہم فاسق کہیں گے۔ حالانکہ ان دونوں گروہوں کا یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اس وعید کا مستحق ہے جو اس کے گناہ کے حساب سے لازم آتی ہے، اور وہ قرآن وسنت میں بیان کر دی گئی ہے۔ اہل سنت مرجئہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ

''ایمان کے بعد گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا جس طرح کفر کے ساتھ نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا''۔......

اہل سنت کی کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں جو اتفاق رائے ہے، اسے معلوم کر لینے کے بعد آپ کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ اہل سنت کے ہاں اس سلسلہ میں لفظی اختلاف ہے جس سے کوئی فساد لازم نہیں آتا۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ کیا کفر کے بھی مراتب ہوتے ہیں، یعنی کوئی کفر بڑا اور کوئی چھوٹا بھی ہوتا ہے؟ جس طرح اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایمان کے بھی مراتب ہوتے ہیں؟ یعنی ایمان کی اعلیٰ حالت اور ادنیٰ حالت۔ یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ اہل سنت کے ہاں لفظ ایمان کی تعریف وحدود میں اختلاف تھا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، جو زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی، یا ایسی بات نہیں ہے؟ تاہم اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول نے کافر کہا ہے، ہم بھی اسے کافر کہیں گے۔ اس لیے یہ بات ممکن نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول دین کے برخلاف حکم وقانون سازی کرنے والے کو کافر کہیں اور ہم اسے کافر نہ کہیں۔ لیکن (اہل سنت میں سے) جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ یہ عملی کفر ہے، اعتقادی کفر نہیں ہے۔ ان کے نزدیک کفر اکبر اور کفر اصغر کے اسی طرح درجات ہیں جس طرح ایمان کے درجات ہیں۔

اور جن کی رائے یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور عمل اس کی تعریف میں داخل نہیں اور کفر انکار کا نام ہے اور ایمان یا کفر دونوں نہ زیادہ ہوتے ہیں اور نہ کم ہوتے ہیں، تو وہ (ان نصوص جن میں بعض کبیرہ گناہوں پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، کے بارے میں) کہتے ہیں کہ یہاں کفر سے مجازی معنی مراد ہے، حقیقی معنی مراد نہیں ہے کیونکہ حقیقی کفر تو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح جن اعمال کو ایمان کا نام دیا گیا ہے مثلاً جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [سورة البقرة: ١٤٣]

''اور اللہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کرنے والا نہیں ہے''۔

یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے (کے عمل) کو یہاں ایمان قرار دیا گیا، تو ان کے بارے میں بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایمان کا مجازی معنی مراد ہے، یا تو اس لیے کہ اس عمل کی صحت کا دارومدار ایمان پر ہے یا اس لیے کہ یہ عمل ایمان پر دلالت کرنے والا ہے اور جو یہ عمل کرتا ہے، اس کے مومن ہونے پر اس سے دلالت ہوتی ہے۔ اسی لیے کافر اگر (اسلام قبول کر لے اور) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھے تو ہم اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے۔ اور امت کے فقہاء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ گناہوں کے مرتکب اگر ظاہراً و باطناً اس دین کا اقرار کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں اور جو آپ ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے تو یہ ان لوگوں میں سے تو ہیں جنہیں (گناہوں پر سزا کی) وعید سنائی گئی ہے مگر انہیں یہ کہنا کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو یہ بات غلط ہے اور یہی بات (ایسے لوگوں کے بارے میں) خوارج اور معتزلہ نے کہی ہے۔......

'الحکم بغیر ما انزل اللہ' بعض حالتوں میں کفر اکبر ہے اور بعض میں کفر اصغر

یہاں یہ بحث بھی توجہ کے لائق ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ قانون سازی کبھی تو ایسا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور کبھی یہ معصیت کے درجہ میں ہوتا ہے خواہ وہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اور یہ بھی کفر ہی ہے یا تو مجازی طور پر اسے کفر کہا جاتا ہے یا (کفر اکبر کے مقابلہ میں اسے) کفر اصغر کہا جاتا ہے۔ یہ اطلاق حاکم کی حالت کی مناسبت سے ہے۔ اگر تو وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی واجب نہیں بلکہ اختیاری ہے، یا اللہ کے حکم کو جانتے بوجھتے مذاق کا نشانہ بناتے ہوئے ایسا کرے تو دونوں صورتوں میں اس کا کفر 'کفر اکبر' ہے۔ اور اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی واجب ہے اور اس بات کا اس کو پورا علم ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ خلاف ورزی کی صورت میں وہ سزا کا مستحق ہوگا مگر اس کے باوجود وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو وہ گنہگار ہے اور اسے کافر مجازی طور پر کہا جائے گا، یا اس کے کفر کو 'کفر اصغر' کہا جائے گا۔

اور اگر وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو اور اپنی ممکنہ حد تک کوشش (اجتہاد) اور محنت کے باوجود اس سلسلہ میں حق کو پہچان نہ پائے بلکہ غلطی کر بیٹھے تو وہ خطا کار ہے، اور اس کی خطا قابل معافی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ایک اجر بھی ملے گا۔

شیخ طحاویؒ نے یہ بات کہ ''ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ گنہگار کو اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں دے گا''، مرجئہ فرقہ کی مخالفت و تردید میں کہی ہے۔ اس طرح کے شبہات صدر اول میں بھی بعض لوگوں کو پیش آئے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اگر ایسے لوگ توبہ نہیں کریں گے تو وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ قدامہ بن عبداللہ اور کچھ اور لوگوں نے شراب کی حرمت کے بعد شراب پی اور قرآن مجید کی اس

آیت کی تاویل کرتے ہوئے ایسا کیا جس میں ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾[سورة المائدة: ٩٣]

''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اس میں کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ کھائیں، بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کریں، ایمان لائیں اور نیک عمل کریں''۔

جب حضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے اور حضرت علیؓ اور باقی تمام صحابہ نے بھی اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر یہ لوگ شراب کی حرمت کا اعتراف کرلیں تو انہیں کوڑے لگائیں جائیں گے (جو شراب پینے کی سزا ہے) اور اگر ان کا اصرار اسی بات پر رہے کہ شراب حلال ہے تو پھر انہیں قتل کردیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ سے کہا کہ تم نے غلطی کر کے اپنے لیے گھڑا کھود لیا ہے، بشرطیکہ تم اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان رکھو، نیک عمل کرو اور شراب نہ پیو۔

دراصل اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب جنگ احد کے بعد اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہمارے جو ساتھی شراب کی حرمت سے پہلے شراب پیتے فوت ہوئے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں بتا دیا گیا کہ حرمت سے پہلے جس کسی نے شراب پی تھی، اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ مومن ہو، متقی اور نیک صالح ہو۔......

''ہم نیک مومن لوگوں کے بارے میں امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے گا اور اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا اور ہم ان کے بارے میں بے خوف بھی نہیں اور نہ ہی ان کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں (یعنی دونوں حالتوں کے درمیان رائے رکھتے ہیں) اور گنہگار مومنوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں ڈرتے بھی ہیں مگر انہیں ناامید اور مایوس قرار نہیں دیتے۔

ناامیدی اور بے خوفی دونوں چیزیں ملت اسلام سے خارج کرنے والی ہیں اور اہل قبلہ کے لیے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔[مطلب یہ کہ اللہ کی رحمت کو دیکھتے ہوئے اس کی پکڑ سے بالکل لاپرواہ ہوجانا یا اس کے عذاب کو دیکھتے ہوئے اس کی رحمت سے بالکل ناامید ہوجانا دونوں حالتیں خطرناک ہیں]

آدمی ایمان سے خارج صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اس چیز کا انکار کرے جس کے اقرار کے ساتھ وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔[یہاں شیخ نے خوارج اور معتزلہ کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب

کے ساتھ آدمی دائرہ اسلام (ایمان) سے خارج ہو جاتا ہے (مترجم)]

اور ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ اور ہر وہ چیز جو شریعت کی حیثیت سے یا شریعت کی وضاحت کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے، وہ حق ہے۔ اور ایمان ایک وحدت ہے اور تمام مومن ایمان کی اصل کے لحاظ سے برابر ہیں، البتہ ان میں فضیلت کے لحاظ سے درجہ بندی خشیت الٰہی، تقویٰ، خواہشِ نفس پر کنٹرول اور افضل چیزوں کے اہتمام کی بنیاد پر پائی جاتی ہے"۔

ایمان کیا ہے؟

لوگوں کا اس مسئلہ میں کافی اختلاف ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اوزاعیؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور تمام محدثین اور اہل مدینہ، اہل ظاہر اور متکلمین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور ارکان پر عمل کرنے کا۔ ہمارے اصحاب میں سے اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے جسے امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ایمان ہے۔ اور ان اصحاب میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ زبان سے اقرار رکن زائد ہے، رکن اصلی نہیں ہے۔ ابو منصور ماتریدیؒ بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ کرامیہ فرقے کا کہنا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے، پس ان کے نزدیک منافق کامل الایمان مومنوں کی طرح ہیں، البتہ وہ کہتے ہیں کہ منافق اس وعید کے مستحق بھی ہیں جو اللہ نے ان سے کی ہے۔ ظاہر ہے کرامیہ کی رائے صریح طور پر غلط ہے۔

جہم بن صفوان اور ابوالحسن صالحی جو قدریہ کے رؤسا میں سے ہیں، کا کہنا ہے کہ ایمان دل کی معرفت کا نام ہے۔ حالانکہ یہ بات کرامیہ کی رائے سے بھی زیادہ فاسد ہے۔ اس رائے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بھی مومن بن جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی سچائی کو (دل سے) جان لیا تھا مگر (زبان سے) ان پر ایمان نہیں لائے تھے...... اسی طرح اہل کتاب بھی حضرت محمد ﷺ کا نبی ہونا اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے مگر وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے ...... بلکہ جہمیہ کے نزدیک تو ابلیس بھی کامل الایمان مومن ہونا چاہیے کیونکہ وہ اپنے رب کی معرفت رکھتا تھا، رب سے جاہل نہیں تھا۔......

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان یا تو دل کی معرفت، زبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال (تینوں چیزوں) کا

مجموعہ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ یہ جمہور سلف کی رائے ہے جن میں ائمہ ثلاثہ وغیرہ شامل ہیں۔ یا ایمان زبانی اقرار اور دلی معرفت کا نام ہے، اور اس کی تعریف میں اعمال شامل نہیں ہیں جیسا کہ طحاوی نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔ یا پھر ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے جیسا کہ کرامیہ فرقے کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ یا پھر صرف قلبی معرفت کا نام ہے جیسا کہ جہنم بن صفوان کی رائے ہے۔ یا صرف قلبی تصدیق کا نام ہے جیسا کہ ابو منصور ماتریدی کا کہنا ہے اور کرامیہ اور جہم کی رائے بالکل غلط ہے۔

ایمان کی تعریف کے حوالے سے اہل سنت میں امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، یہ صرف لفظی وصوری نوعیت کا ہے جس سے عقیدہ میں خرابی لازم نہیں آتی۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ کیا اس طرح ہے کہ یہ قلبی ایمان کا لازمہ ہیں یا یہ ایمان کا جز ہیں؟۔ جہاں تک کبیرہ گناہ کے مرتکب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں (امام ابو حنیفہؒ اور دیگر علماء اہل سنت) سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اللہ چاہے تو اسے (اس کے گناہ کی) سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

جن لوگوں نے تارک نماز کو کافر قرار دیا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں اور دلائل کو بھی ساتھ ملایا ہے (محض ایمان اور عمل والی بحث کی روشنی میں یہ رائے نہیں دی) ورنہ لازم آتا کہ زانی، شرابی، چور ڈاکو سبھی (ان گناہوں کی وجہ سے) ایمان سے (کلی طور پر) خارج قرار دیئے جاتے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے (مختلف احادیث میں) ان لوگوں سے ایمان کی نفی کی ہے، مگر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (نبی کریم ﷺ نے) اس نفی سے کلی طور پر ایمان کی نفی مراد نہیں لی۔

اہل سنت کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا ہے، قول سے میری مراد دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں ہیں کیونکہ جب (اہل علم کے ہاں) یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے تو اس میں قول سے مراد تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن بندوں سے یہ جو دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا ایمان کا لفظ ان دونوں کو شامل ہوتا ہے یا صرف قول (تصدیق و اقرار) کو شامل ہوتا ہے اور عمل اس سے خارج ہوتا ہے خاص کر جب ایمان کا لفظ اکیلا بولا جائے، اور اگر ایمان کا لفظ بول کر دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کیا اس وقت

(عمل پر) ایمان کا اطلاق مجازی ہوتا ہے؟، یہی بات (اہل سنت میں) محل اختلاف ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص دل سے تصدیق کرتا ہو، زبان سے اقرار بھی کرتا ہو مگر اعضاء سے (دین پر) عمل نہ کرے تو وہ اللہ اور رسولؐ کا نافرمان ہے، (عذاب کی) وعید کا مستحق ہے۔......

شیخ طحاویؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''کلمہ گو سب ایمان کی اصل کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں''، اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کے نزدیک اہل ایمان کی ایمان میں برابری ایمان کی اصل کے لحاظ سے ہے نہ کہ ہر لحاظ سے۔ کیونکہ اہل ایمان کے دلوں میں لا الٰہ الا اللہ کے نور کے مختلف درجات ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کلمہ کا نور سورج کی طرح ہوتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے دلوں میں اس کا نور روشن ستارے کی طرح ہوتا ہے، بعض کے دلوں میں یہ بہت بڑی مشعل کی روشنی کی طرح، بعض کے نزدیک زیادہ چمکتے سورج کی طرح اور بعض کے نزدیک کم چمکتے سورج کی طرح ہوتا ہے اور قیامت کے روز یہی نور اہل ایمان کے سامنے اپنی مقدار کے حساب سے ظاہر ہوگا......

جس شخص کو اس بات کی سمجھ آ جائے، اسے ان احادیث کی بھی سمجھ آ جاتی ہے جن میں نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے (جہنم کی) آگ کو ہر اس شخص کے لیے حرام قرار دے دیا ہے، یا وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس نے اللہ کی رضا کی خاطر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا''۔

اس قسم کی احادیث کا معنیٰ و مفہوم سمجھنا بہت سے لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا حتیٰ کہ بعض نے تو یہ گمان کیا کہ ان احادیث کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، بعض نے یہ سمجھا کہ ان کا تعلق اوامر ونواہی (شریعت اسلامیہ) سے پہلے کے وقت سے ہے۔ بعض نے کہا کہ کلمے کا اقرار کرنے والا ہمیشہ کے لیے آگ میں نہیں جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

دین اسلام کے قطعی احکام کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے والا جنت پالے گا۔ اگر یہی بات ہوتی تو پھر زبان سے کلمہ کا اقرار کرنے والے منافقین جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جگہ نہ پاتے۔ پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کسی عمل کے اجر وثواب کا کم یا زیادہ ہونا اس کی ظاہری شکل وصورت اور تعداد کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس کے لیے دل میں کتنی جگہ تھی (یعنی نیت اور خلوص کتنا تھا)۔......

جب ایمان ایک اصل (جڑ) کی طرح ہے تو اس کی آگے کئی شاخیں ہیں اور ہر شاخ کو (شریعت میں) ایمان کا نام دیا گیا ہے، لہٰذا نماز ایمان سے ہے، اسی طرح زکاۃ، روزہ، حج بھی ایمان سے ہیں۔ اسی طرح

باطنی اعمال مثلاً حیا، توکل، خشیت الٰہی اور انابت الٰہی یہ بھی ایمان سے ہیں۔ حتی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے تک (ایمان کی) یہ شاخیں جا کر ختم ہوتی ہیں اور اس عمل کو بھی ایمان کی شاخ قرار دیا گیا ہے۔
ان شاخوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے شہادتین (کلمۂ شہادت) کی شاخ ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان ختم نہیں ہوتا جیسے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔ اور ان دو انتہاؤں کے درمیان اور بھی کئی شاخیں ہیں جن میں (ایمان اور کلمہ شہادت کی طرف قریب یا دور کرنے کے لحاظ سے) درجہ بندی پائی جاتی ہے، ان میں سے بعض وہ شاخیں ہیں جو کلمۂ شہادت کی طرف قریب کرتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والی شاخ کی طرف قریب کرتی ہیں۔ جس طرح ایمان کی شاخوں کو بھی ایمان ہی کہا جاتا ہے، اسی طرح کفر کی شاخوں کو بھی کفر ہی کہا جائے گا، مثلاً اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی ایمان ہے اور اس کی مخالفت میں قانون سازی کفر ہے۔
نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ ''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس برائی کی مخالفت کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر دل سے اسے برا جانے''۔ یہ مسلم کی حدیث ہے جب کہ ایک سند میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ''اس (دل میں برا نہ جاننے) کے بعد رائی کے دانے برابر بھی ایمان باقی نہیں بچتا''۔ [یعنی جو شخص دل سے بھی برائی کو برا نہیں جانتا، اس کے دل میں ایمان باقی نہیں رہتا۔ (مترجم)]
ترمذی کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے نفرت رکھی، اللہ کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ کے لیے کچھ روکا تو اس نے ایمان مکمل کر لیا''۔......

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

ایمان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، اس بات کے دلائل قرآن و سنت اور آثارِ سلف میں بہت زیادہ ملتے ہیں۔ چند قرآنی دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)...... ﴿ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ [سورة الانفال: ٢]
''اور جب انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں''۔

(۲)...... ﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [سورة مريم: ٧٦]

''اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھا دیتا ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِيْمَانًا ﴾ [سورة المدثر: ۳۱]

''اور ایمان والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایمان میں بڑھا دیتا ہے''۔

(٤)...... ﴿ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾

''وہی اللہ ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں''۔[سورۃ الفتح:۴]

(٥)...... ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ [سورة آل عمران: ۱۷۳]

''وہ (ایمان والے) لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے''۔

ایمان اور اسلام کا فرق

......اسلام سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں لوگوں کے تین اقوال ہیں۔ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ کلمہ شہادت کو اسلام کہتے ہیں۔دوسرے گروہ کی رائے اور قول یہ ہے کہ حدیث جبریل میں جب نبی کریم ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے دین کے ظاہری اعمال [یعنی شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، زکاۃ، حج کے اہتمام] کو 'اسلام' کہا، [لہٰذا یہی اسلام ہے]۔تیسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف وہم معنی ہیں۔......

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا

کیا انسان اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ''میں مومن ہوں ان شاء اللہ''۔اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور تین مختلف آراء ہیں۔ایک ان لوگوں کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایک ان کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور تیسری رائے ان لوگوں کی ہے جو بعض حالات میں ان شاء اللہ کہنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض حالات میں ناجائز کہتے ہیں اور یہی رائے سب سے صحیح ہے۔......

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی اصل اور بنیاد میں شک کرتے ہوئے کہے کہ ''میں مومن ہوں، ان شاء اللہ''، تو

پھر اس طرح کہنا درست نہیں [اس لیے کہ مومن کو اپنے ایمان میں شک نہیں ہونا چاہیے] اور اگر کوئی مومن یہ سمجھے کہ میں بھی ان مومنوں کی طرح ہوں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے ان شاء اللہ بھی کہنا چاہیے۔......

''تمام مومن اللہ کے ولی (دوست) ہیں اور ان میں سے اللہ کے سب سے قریب وہ ہے جو سب سے زیادہ اطاعت گزار اور سب سے زیادہ قرآنی احکام پر عمل کرنے والا ہے۔

ایمان میں یہ چیزیں شامل ہیں: اللہ پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان، تقدیر کے اچھا اور برا، سب اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان۔

ہم ان سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں میں تفریق نہیں کرتے بلکہ سب رسولوں اور نبیوں کی اس سلسلہ میں تصدیق کرتے ہیں جو وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے (کہ وہ حق تھا)۔

امت محمدیہ میں سے وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کے بارے میں ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر وہ توحید پر مرے تو پھر وہ (شرک کے علاوہ دوسرے کبائر کی وجہ سے) ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائیں گے، خواہ ان کبیرہ گناہوں پر انہوں نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ بس یہ ضروری ہے کہ وہ ایمان باللہ (توحید) کی حالت میں اللہ سے ملیں۔ ان لوگوں کا مسئلہ اللہ کی مشیت اور حکم کے ساتھ مربوط ہے، اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل سے انہیں معاف کر دے جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ النساء: ٤٨، ١١٦۔ ''اور وہ شرک کے علاوہ جو گناہ چاہے معاف کر دیتا ہے''۔ اور اگر اللہ چاہے تو انہیں اپنے عدل کے ساتھ آگ میں سزا دے، پھر اپنی رحمت اور نیک مسلمانوں کی ان کے حق میں شفاعت کے ساتھ انہیں جہنم سے نکال لے اور اپنی جنت میں داخل کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موحد بندوں کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں اپنے ان دوستوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرے گا جس طرح کا سلوک وہ اپنے ان منکروں کے ساتھ کرتا ہے اور کرے گا، جو اس کی ہدایت کے راستے سے گمراہ رہے اور اس کی دوستی کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہے۔

اے اللہ! اسلام اور اہل اسلام کے ولی! ہمیں مرتے دم تک اسلام پر ثابت قدم رکھ، آمین!

کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اگر وہ ہمارا ہم قبلہ ہے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے لیے اس کی موت کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کو بھی درست سمجھتے ہیں''۔

اتحادِ امت اور اہل بدعت و اہل فسق کے ساتھ عبادات و معاملات میں تعامل کی حدود

اس لیے کہ حدیث میں ہے: ''ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو''۔ اگر چہ یہ روایت کمزور ہے......

اسی طرح کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم پر واجب ہے کہ تم ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ وہ کبائر کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ اور تم پر یہ بھی واجب ہے کہ تم ہر اَمیر (حاکم وقت) کی قیادت میں جہاد کرو، خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ وہ کبائر کا مرتکب ہو''۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حجاج بن یوسف ثقفی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت انسؓ بھی حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ حجاج فاسق اور ظالم شخص تھا۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں وہ (مختلف طرح کے) لوگ نماز پڑھائیں گے، اگر وہ درست ہوئے تو تمہیں بھی ثواب اور انہیں بھی۔ اور اگر انہوں نے غلطی کی تو تمہیں (تو اپنی نماز کا) ثواب ملے گا مگر انہیں گناہ ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کلمہ پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھا کرو اور جو کلمہ پڑھتا ہے، اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھا کرو''۔ اسے دارقطنی نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

اللہ ہم سب پر رحم کرے، یاد رکھیے کہ علماءِ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص کی بدعت اور فسق معلوم نہ ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں کہ مقتدی پہلے یہ معلوم کرے کہ اس امام کا عقیدہ کیا ہے اور نہ ہی مقتدی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس امام کے عقیدے کا امتحان لیتا پھرے، مثلاً اس سے پوچھے کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ بلکہ اسے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے جو مستور الحال ہے [یعنی جس مسلمان کا عقیدہ معلوم نہیں]۔

اگر کوئی امام بدعتی ہو اور اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو تبلیغ بھی کرتا ہو یا ایسا فاسق ہو جس کا فسق بالکل ظاہر ہو، لیکن اس کے ساتھ اس امام کی حیثیت 'امام راتب' کی ہو کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مجبوری ہو مثلاً جمعہ و عیدین کا امام ہو یا حج کا امام ہو یا اسی طرح کی کوئی اور مجبوری والی صورت ہو تو ایسے حالات میں اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی اور سلف و خلف کی اکثریت کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ اور یہ اکثریت یہ بھی

کہتی ہے کہ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص فاسق یا بدعتی امام کے پیچھے جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ اوران کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، اس کے بارے میں صحیح رائے یہ ہے کہ اس نماز کو دہرایا نہیں جائے گا کیونکہ صحابہ بھی فاسق اماموں کے پیچھے جمعہ اور جماعت کی نمازیں پڑھتے رہے ہیں مگر وہ نمازوں کو دہراتے نہیں تھے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کچھ اور صحابہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ ولید شراب پیتا تھا اور ایک مرتبہ تو اس نے (غالباً نشہ کی حالت میں) نماز فجر کی چار رکعات پڑھادیں اور پھر کہنے لگا: کیا اور رکعتیں پڑھاؤں؟! تو ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ آج تو پہلے ہی آپ کے ساتھ ہم نے زیادہ رکعتیں پڑھ لی ہیں!!

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت عثمانؓ کا جب بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا تو محاصرین ہی میں سے کوئی اور لوگوں کو نمازیں پڑھانے لگا۔ کسی نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ سب کے امام (خلیفہ) ہیں جب کہ یہ شخص جو لوگوں کو نمازیں پڑھا رہا ہے، یہ تو فتنے کا امام ہے؟ تو حضرت عثمانؓ نے کہا: اے بھتیجے! لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان میں نماز ایک اچھا عمل ہے، لہٰذا جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھے کام میں شرکت کرو اور جب لوگ برا کام کریں تو ان کے برے کام سے دور رہو۔

ایک فاسق اور بدعتی شخص کی نماز بذات خود اُس کے لیے صحیح ہے، اس لیے اگر اس کے پیچھے کوئی اور نماز پڑھتا ہے تو اس (مقتدی) کی نماز بھی باطل قرار نہیں دی جاسکتی۔ لیکن جو اہل علم ایسے شخص کے پیچھے نماز کو مکروہ سمجھتے ہیں، وہ اسے مکروہ اور ناپسندیدہ ہی کہتے ہیں، اس بنیاد پر کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص اعلانیہ بدعت اور فسق وفجور کا ارتکاب کرتا ہو، اسے مسلمانوں کے لیے امام نہیں بنانا چاہیے کیونکہ وہ تو تعزیر کا مستحق ہے جب تک کہ توبہ نہ کرلے اور اگر اس سے ترک تعلق کرلیا جائے کہ اس طرح اس کا توبہ کرنا ممکن ہو تو ایسا کرنا مستحسن ہے۔ اور اگر کچھ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کردیں، اس بنیاد پر کہ اس طرح یا تو بدعتی وفاسق امام کی بدعت وفسق پر اثر پڑے گا اور وہ یا تو توبہ پر آمادہ ہوجائے گا یا پھر امامت چھوڑ دے گا، یا لوگ اس جیسے گناہ سے باز آجائیں گے تو ایسی کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر اس کے پیچھے نماز چھوڑی جاسکتی ہے بشرطیکہ

نماز چھوڑنے والوں کا جمعہ اور جماعت ضائع نہ ہوں (بلکہ کوئی مناسب متبادل انتظام موجود ہو)۔ اور اگر ایک طرف اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی جائے اور دوسری طرف نماز با جماعت اور جمعہ بھی ضائع ہونے لگے تو پھر نماز چھوڑنے والا خود بدعتی اور (اس مسئلہ میں) صحابہ کی مخالفت کرنے والا ہے۔

اسی طرح اگر ایسے (بدعتی اور فاسق و فاجر) شخص کو حکام وقت کی طرف سے امام مقرر کیا گیا ہو اور اس کے پیچھے نماز چھوڑنے میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہ ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز چھوڑنا درست نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔ اور اگر انسان کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ بدعت ظاہر کرنے والے کو امامت سے روک سکتا ہے تو پھر اسے روکنا واجب ہے لیکن اگر ایسے شخص کو کسی اور کی طرف سے امامت کی ذمہ داری پر فائز کیا گیا ہو اور اسے اس سے ہٹانا ممکن نہ ہو یا اس کے ہٹانے میں ایسا شر پیدا ہوتا ہو جو اس کی بدعت و منکر سے بڑا ہو تو پھر ایسی صورت میں تھوڑے فساد کو ختم کرنے کے لیے زیادہ فساد پیدا کر دینا یا چھوٹی مصیبت ختم کرنے کے لیے بڑی مصیبت کھڑی کر دینا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت تو اسی لیے ہے کہ خیر و بھلائی کو حاصل کیا جائے اور اس کی تکمیل کی جائے اور مفاسد کو یا تو ختم کیا جائے یا (اگر یہ ممکن نہ ہو تو) پھر اسے ممکنہ حد تک کم سے کم کیا جائے۔ لہٰذا جمعے اور جماعتیں ضائع کر بیٹھنے میں اس چیز کی نسبت زیادہ بڑا فساد ہے کہ فاجر و فاسق کے پیچھے انہیں پڑھا جاتا رہے، بالخصوص ایسے حالات میں کہ جب فاجر و فاسق امام کے پیچھے نمازیں پڑھنا چھوڑ دینے کے باوجود اس سے خلاصی بھی نہ ہو رہی ہو۔

اور اگر ایسے حالات میں جمعہ اور جماعت کی نماز کسی نیک شخص کے پیچھے پڑھنا بھی ممکن ہو تو ایسی صورت میں فاسق کی بجائے نیک کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے حالات میں گنجائش کے باوجود فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایسا شخص نماز دہرائے اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔......

فاسق و بدعتی کی نماز جنازہ

شیخ طحاویؒ نے جو یہ کہا ہے کہ ''(کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اگر وہ ہمارا اہم قبلہ ہے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی موت کے بعد) اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو بھی درست سمجھتے ہیں''۔

اس سے شیخ کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اس کی موت کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھنا ہم درست سمجھتے ہیں۔ اگر چہ اس عموم سے باغی، ڈاکو (راہزن) اور خودکشی کرنے والے مستثنیٰ ہیں، (اور ان کی نماز جنازہ میں اہل علم کا اختلاف بھی ہے)، اسی طرح شہید کا معاملہ بھی الگ ہے......

جو لوگ بظاہر مسلمان دکھائی دیتے ہیں، ان میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک تو مومن ہوتے ہیں اور دوسرے منافق ہوتے ہیں۔ جس شخص کا نفاق بالکل ظاہر ہو جائے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور جس کا نفاق معلوم نہ ہو، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کی نماز جنازہ حضرت حذیفہؓ نہیں پڑھتے تھے، اس لیے کہ حضرت حذیفہؓ نے جنگ تبوک میں منافقین کو پہچان لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کرنے سے صاف منع کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، اس کی نماز جنازہ سے منع نہیں کیا گیا، خواہ اس میں عقیدے کی بدعات کا گناہ پایا جائے یا عملی بدعات کا یا اس کے علاوہ کسی اور طرح کا گناہ پایا جائے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لیے تو بخشش کی دعا کرنے کا اللہ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾[سورة محمد:١٩]

”جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اپنے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے“۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عقیدۂ توحید اپنانے کا حکم دیا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ انسان اپنے لیے اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لیے بخشش کی دعا کرے۔ توحید تو دین کی اصل اور بنیاد ہے جب کہ استغفار دین کی تکمیل کرنے والی چیز ہے۔ لہٰذا ایمان والوں کے لیے مغفرت، رحمت اور خیر و بھلائی کی دعا کرنا یا تو واجب کے درجہ میں ہے یا پھر مستحب کے درجہ میں۔ اور اس دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک عام اور دوسری خاص۔ عام تو بالکل واضح قسم ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں اس کا ذکر ہے اور دعا کی خاص قسم وہ ہے جس میں (سے ایک) میت کے لیے نماز جنازہ پڑھنا بھی ہے۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس نماز جنازہ میں وہ اس بات کے پابند ہیں

کہ مرنے والے کے لیے دعا کریں جیسا کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوصِ دل سے دعا کرو''۔......

''ہم کسی مسلمان کے لیے یہ حکم نہیں لگاتے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے یا یہ کہ وہ اہل جہنم میں سے ہے''۔

کسی کو یقین طور پر جنتی یا جہنمی کہنا

شیخ طحاویؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی تعیین کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے، الاّ یہ کہ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہو کہ وہ جنتی ہے، جیسے عشرہ مبشرہ صحابی ہیں۔ اگرچہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں میں سے جسے اللہ چاہیں گے جہنم میں داخل کریں گے، پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے انہیں جہنم سے نکال لیں گے، البتہ ہم متعین شخص کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا وہ جہنمی ہے، الاّ یہ کہ ہمیں اس کا واضح علم ہو اور صاف ظاہر ہے کہ اس بات کا علم ہم سے مخفی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ایک شخص کس عقیدے پر مرا ہے لیکن ہم (ظاہری حالت کے اعتبار سے) نیکی کرنے والوں کے بارے میں (جنت کی) امید رکھتے ہیں اور برائی کرنے والوں کے معاملہ میں (سزا سے) ڈرتے ہیں۔......

''ہم کسی مسلمان کے بارے میں کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک کہ اس سے اس طرح کی کوئی چیز ظاہر نہ ہو اور جہاں تک کسی کی باطنی و مخفی حالت کا تعلق ہے تو اسے ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور ہم امت محمدیہ میں سے کسی شخص کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں سمجھتے الا یہ کہ اس کے خلاف تلوار اٹھانا واجب ہو جائے''۔

قتل حرام ہے سوائے تین صورتوں کے

جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان کلمہ (لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ) پڑھتا ہو، اسے تین حالتوں کے علاوہ قتل کرنا حرام ہے اور وہ تین حالتیں یہ ہیں:

۱۔ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کرے (تو حد رجم کے طور پر اسے قتل کیا جائے گا)۔

۲۔ کسی اور کو قتل کرے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔

۳۔ مسلمانوں کی اجتماعیت سے خروج کرتے ہوئے مرتد ہو جائے (تو قتل کیا جائے گا)''۔

حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ

''ہم اپنے حاکموں اور والیوں کے خلاف خروج (قتال) کو جائز نہیں سمجھتے، خواہ حکام ہم پر ظلم کرنے والے ہی کیوں نہ ہوں اور ہم ان پر بدعا بھی نہیں کرتے اور ان کی اطاعت سے باہر بھی نکلتے بلکہ ہم ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح ایک فرض سمجھتے ہیں بشرطیکہ وہ ہمیں کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دیں اور ہم ان حاکموں کے لیے اصلاح اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

اور ہم سنت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں علیحدگی، اختلاف اور فرقہ بندی سے اجتناب کرتے ہیں۔

ہم عادل اور امانت دار لوگوں سے محبت رکھتے ہیں اور ظلم اور خیانت کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔

جس شخص کا معاملہ (عقیدہ وعمل کسی بھی لحاظ سے) ہمارے لیے مشتبہ ہو جائے تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہی (اس کا حال) بہتر جانتے ہیں''۔

مصنف کی تحقیقی واصلاحی مطبوعات

جدید اسلوب اور عام فہم انداز کے ساتھ...... معیاری اور مستند لٹریچر

[1]......سلسلۂ اصلاح عقائد

(۱): اللہ اورانسان ......[عقیدۂ توحید وایمان باللہ کا بیان]

یہ کتاب عقیدۂ توحید کے بیان پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں وجودِ باری تعالیٰ، مذاہبِ عالم کا تصورِ الٰہ اور اسلام کا تصورِ الٰہ وغیرہ شامل ہے۔ دوسرے باب میں انسان کی پیدائش، مقصدِ پیدائش اور نظریہ ارتقاء کا جائزہ وغیرہ شامل ہے۔ تیسرے باب میں اللہ اور انسان کا باہمی تعلق تین پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے یعنی خالق اور مخلوق۔ عابد اور معبود۔ غنی اور محتاج۔ اس کتاب میں عقیدۂ توحید قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور کسی پر کیچڑ نہیں اُچھالا گیا۔ کسی کا عقیدہ توحید درست کرنا ہو تو یہ کتاب اسے ضرور پیش کریں۔ یہ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہوگا۔

(۲): انسان اور رهبرِانسانیت ......[عقیدۂ رسالت اور اتباعِ سنت کا بیان]

یہ کتاب عقیدۂ رسالت اور اتباع سنت کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم میں سے ہر شخص کا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہونا چاہیے: ایک تو یہ کہ ہم آپؐ پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم آپؐ سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کریں اور تیسرا یہ کہ ہم ہر ممکنہ حد تک آپؐ کی اطاعت کریں۔ اس کتاب میں سنت و رسالت سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے نہایت عام فہم اسلوب میں حضور نبی کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳): انسان اور قرآن ......[قرآن کے ساتھ ایمان وعمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ہمارا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہے: ایک تو یہ کہ ہم قرآن مجید پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنائیں اور تیسرا یہ کہ ہم ممکنہ استطاعت کی حد تک اس کے احکام پر عمل کریں۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ جذباتی وابستگی ہی کافی نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ ایمان وعمل کی وابستگی نہ پیدا کی جائے۔

(٤): انسان اور فرشتے ......[فرشتوں پرایمان اورانسانوں کے ساتھ انکے تعلقات کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں اور فرشتوں کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ فرشتوں پرایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ مشہور فرشتے کون سے ہیں؟ فرشتوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ فرشتے انسانوں کے حق میں دعائیں کب کرتے ہیں؟ کن بدبختوں پر فرشتے بددعائیں کرتے ہیں؟ فرشتے کن انسانوں کی مدد کے لیے اترتے ہیں؟ اور وہ کب اور کیسے مدد کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، اس کے علاوہ اس کتاب میں منکرین ملائکہ کے دلائل کا رد بھی شامل ہے۔

(٥): انسان اور شیطان ......[شیطان کی حقیقت اور اسکے مکروفریب سے بچاؤ کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان کیا ہے؟ اسے کیوں پیدا کیا گیا؟ انسان کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ ابلیس [یعنی شیطانِ اکبر] اور عام شیاطین میں کیا فرق ہے اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا شیطان ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے؟ شیطان انسان کو گمراہ کیسے کرتا ہے؟ شیطان کے مکروفریب سے بچاؤ کی تدابیر کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں فلسفۂ خیر وشر کی تفصیلات اور منکرینِ شیاطین کے دلائل کا رد بھی شامل ہے۔

(٦): انسان اور جادوجنات ......[جادو جنات کے توڑ اور روحانی علاج معالجہ کا بیان]

اس کتاب میں جادو جنات کی حقیقت، جادو کرنے کروانے، سیکھنے سکھانے اور جادوگروں اور جنات سے مدد حاصل کرنے کی شرعی حیثیت اور جادو، جنات کا توڑ قرآن وسنت اور عملی تجربات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ نیز مختلف بیماریوں کا روحانی علاج بھی مستند دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب!

(٧): انسان اور کالے پیلے علوم ......[عقائد کی خرابی کا باعث بننے والے علوم کا بیان]

اس کتاب میں دست شناسی، چہرہ شناسی، قیافہ شناسی، علم رمل، جفر، اعداد، فال، لاٹری، کہانت، ہپناٹزم، مسمریزم، وغیرہ جیسے ان تمام علوم کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے جن کے ذریعے غیب دانی کا دعوی کیا جاتا ہے اور جو اسلامی عقائد میں خرابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر اولین مستند کتاب......!

(٨): انسان اور آخرت ......[موت، قبر، برزخ، قیامت، محشر اور جنت وجہنم کا بیان]

مرنے کے بعد ہر نیک وبد انسان جن مراحل سے گزرتا ہے، اس کتاب میں قرآن وسنت کی روشنی میں ان کی مکمل ومرتب تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور اسلامی عقائد میں ایمان بالآخرۃ کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ایک انسان میں اپنی اور دوسروں کی آخرت بہتر بنانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

(۹): **انسان اور قسمت**......[تقدیر پر ایمان اور اس سے متعلقہ مسائل واَحکام کا بیان]

مسئلہ تقدیر کیا ہے؟ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر کے بارے پیشگی معلومات حاصل کرسکتا ہے؟ تقدیر پر ایمان کے بعد عملی جدوجہد کی ضرورت کیوں باقی رہتی ہے؟ اس کتاب میں ان تمام سوالات کا قرآن وسنت اور عقلی دلائل کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور ایمان بالقدر کی ضرورت واہمیت پر صحیح اسلامی نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے۔

(۱۰): **انسان اور کفر**......[نواقضِ ایمان اور ضوابطِ تکفیر کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کون سی صورتیں ہیں جن سے ایک بندۂ مومن کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ نیز کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے سے پہلے وہ کون سے آداب وضوابط ہیں جن کا لحاظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

[2]......سلسلۂ اصلاحِ خاندان

(۱): **هدية العروس**......[ازدواجی وخانگی اَحکام ومسائل کا بیان]

نکاح کی ضرورت واہمیت۔ ترکِ نکاح کے نقصانات۔ شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ اور غیر اسلامی رسومات کی تفصیلی تردید۔ حقوقِ زوجین۔ خوشگوار اِزدواجی زندگی کے رہنما اُصول۔ آدابِ مباشرت، خلع وطلاق اور لعان، ایلاء اور ظہار وغیرہ کے مسائل۔ نکاحِ متعہ، حلالہ اور شغار وغیرہ کے شرعی مسائل، تعددِ ازواج اور پاکستانی معاشرے کے مسائل۔ میاں بیوی کے مخصوص مسائل۔ ساس بہو کا جھگڑا اور اس کا منصفانہ حل اور ایسے ہی بیسیوں اِزدواجی وخانگی احکام ومسائل پر مشتمل ایک جامع، مستند اور مقبولِ عام کتاب۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، الحمدللہ!

(۲): **هدية الوالدين**......[اولاد اور والدین کے باہمی مسائل واحکام کا بیان]

اولاد اور والدین کے باہمی حقوق وفرائض۔ اولاد کی دینی واخلاقی تربیت۔ والدین کی خدمت اور ان سے اختلافِ رائے کے آداب۔ اولاد اور والدین کے باہمی مسائل وتنازعات [جھگڑے] کے اَسباب ووجوہات اور ان کے سدّباب کی تدابیر کا بیان، قرآن وحدیث اور واقعاتی حقائق کی روشنی میں۔ اپنے موضوع پر پہلی لاجواب اور مستند کتاب!

(۳): **هدية النساء**......[خواتین کی دینی واخلاقی تربیت اور احکامِ نسواں کا بیان]

عبادات سے لے کر معاملات تک خواتین کے جملہ دینی وشرعی اَحکام، ان کے حقوق وفرائض اور ان کی دینی و اخلاقی تربیت پر ایک جامع اور مستند کتاب۔ صحیح اَحادیث اور ممتاز علماء کے فتاویٰ سے مزین۔

[3]...... دیگر تصنیفات

(۱): انسان اور نیکی

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیکی کیا ہے؟ نیکی کا حصول اور نیک بننے کا طریقہ کار کیا ہے؟ نیک اَعمال کی قبولیت کی صورت کیا ہے؟ گناہ میں لذت زیادہ ہے یا نیکی میں؟ دنیا اور آخرت میں کام آنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟ گناہوں کو دھوڈالنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟ نیکی کرنے کا دنیا میں کیا انعام ملتا ہے؟

(۲): انسان اور گناہ

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہ کیا ہے؟ انسان گناہ کیوں کرتا ہے؟ گناہوں کے جسمانی، طبی، اَخلاقی، روحانی اور اُخروی نقصانات کیا ہیں؟ دنیا میں گناہوں کی سزا کیسے ملتی ہے؟ اور گناہ چھوڑنے سے انعامات کیسے ملتے ہیں؟ اسکے علاوہ مہلک گناہوں کی تفصیل، توبہ کا طریقہ، توبہ کے موانع اور دیگر متعلقہ تفصیلات بھی اس میں یکجا کر دی گئی ہیں!

(۳): جدید فقهی مسائل

اس کتاب میں اکیسویں صدی میں پیش آنے والے جدید فقہی مسائل پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے مثلاً: شیئرز [حصص] کے کاروبار کی شرعی حیثیت، کلوننگ، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، ڈبل سٹوری قبرستان، انتقالِ خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوندکاری، ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیمیں اوران کا کاروبار، زکاۃ کے جدید مسائل، وغیرہ وغیرہ

(٤): قیامت کی نشانیاں

(٥): پیش گوئیوں کی حقیقت

(٦): اسلام میں تصورِ جهاد

(۷): جهاد اور دهشت گردی

(۸): جهیز کی تباه کاریاں

(۹): خوشگوار گهریلو زندگی

(۱۰): موسیقی حرام نهیں؟ [تصنیف: علامہ البانیؒ۔ ترجمہ: جمیل اختر۔ اضافہ: مبشر حسین]

(۱۱): جادو، جنات اور نظرِ بد کا توڑ [افادات: ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن کثیرؒ ترجمہ: جمیل اختر]

صاحبِ تصنیف .....ایک نظر میں

نام : مبشر حسین

تاریخ پیدائش: 21-01-1978 [لاہور]

دینی تعلیم: [دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تینوں مکتبِ فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ]

1989-90 حفظ القرآن

1991-92 تجوید و قرأت، ترجمۂ قرآن، عربی گرائمر

1992-99 درس نظامی + وفاق المدارس [الشهادة العالمية] ممتاز درجہ میں

عصری تعلیم:

1996 میٹرک [فرسٹ ڈویژن]

1999 ایف۔اے [فرسٹ ڈویژن]

2001 بی۔اے [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]

2004 ایم۔اے [اسلامیات، اے گریڈ۔ پنجاب یونیورسٹی]

2004 پی ایچ ڈی [زیرِ تکمیل]

تدریسی وتحقیقی ذمہ داریاں:

1999-2000 مدرس، جامعة الدعوة الاسلامية مریدکے، لاہور

2000 مدرس، جامعة الدراسات الاسلامية ، کراچی

2001-2004 ریسرچ سکالر، اسلامك ریسرچ کونسل، نائب مدیر ماہنامہ 'محدث' لاہور

2004-2005 لیکچرر، پریسٹن یونیورسٹی، لاہور کیمپس

2006- تا حال ریسرچ ایسوسی ایٹ/لیکچرر (IRI)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تصنیف وتالیف:

1- تقریباً 50 تحقیقی مضامین [فکر و نظر، دعوۃ، محدث، ترجمان القرآن، ایشیا وغیرہ میں] شائع ہو چکے ہیں

2- 20 سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

3- نیز مختلف کتابوں کے تراجم و حواشی، تخریج و تحقیق وغیرہ۔

4- مختلف دینی رسائل و جرائد سے قلمی تعاون، علمی و ادارتی مشاورت۔ و للہ الحمد!

سلسلہ اصلاحِ عقائد

ایک نئے اور عام فہم اُسلوب میں

حافظ مبشر حسین کی مطبوعات

- انسان اور نیکی
- اللہ اور انسان [عقیدۂ توحید کا بیان]
- انسان اور رہبر انسانیت ﷺ [عقیدۂ رسالت اور اتباع سنت کا بیان]
- انسان اور قرآن [قرآن مجید کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]
- انسان اور فرشتے [فرشتوں پر ایمان اور انسانوں کے ساتھ ان کے عجیب و غریب تعلقات کا بیان]
- انسان اور شیطان [شیطان کی حقیقت اور اس کے مکر و فریب سے بچاؤ کی تدابیر کا بیان]
- انسان اور کالے پیلے علوم [عقائد کی خرابی کا ذریعہ بننے والے علوم کا بیان]
- انسان اور آخرت [موت کے بعد پیش آنے والے جملہ اُخروی مراحل کا بیان]
- انسان اور قسمت [قسمت و تقدیر اور محنت و کوشش کا بیان]
- انسان اور کفر [نواقضِ ایمان اور ضوابطِ تکفیر کا بیان]

خصوصیات: عام فہم اور دلچسپ اُسلوب قرآن و سنت سے اِستدلال، فکر سلف کی ترجمانی، صحتِ دلائل اور صحتِ استدلال، گمراہانہ افکار و عقائد کا رد، شستہ انداز اور معتدل فکر، تعصب اور طنز و تشنیع سے پاک، مستند حوالہ جات کا اہتمام اور ناقابلِ حجت روایات سے اجتناب

1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2 (India)
Ph : 23284740, 23282550 Tel-Fax : 91-11-23267510
e-mail : apd1542@gmail.com